سہ ماہی بحث ونظر حیدرآباد

شمارہ نمبر : ۹۱	جنوری — مارچ ۲۰۱۳ء	صفر — ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ

زرِتعاون

اندرون ملک

ایک شمارہ:40روپے

سالانہ:150، بذریعہ رجسٹری:200

سہ سالہ:450، بذریعہ رجسٹری:550

بیرونِ ملک

ایشیائی ممالک کیلئے سالانہ:20امریکی ڈالر

یورپ، امریکہ، افریقہ کے لئے :

سالانہ:30امریکی ڈالر

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

Khalid Saifullah Rahmani, Baitul Hamd, H.No:16-182/1, Quba Colony, Po:Pahadi Shareef, Hyd, A.P 500005, Ph: 9989709240 E-mail: ksrahmani@yahoo.com

چیک / ڈرافٹ پرصرف:"Khalid Saifullah" لکھیں

کمپیوٹر کتابت: محمد نصیر عالم سبیلی ''**العالم**'' اُردو کمپیوٹرس، حیدرآباد، فون نمبر:9959897621 91+

فہرست مضامین

○ ○ ○

افتتاحیہ

ہندوستان ایک جمہوری ملک ہےاور آزادی وجمہوریت ہی اس ملک کا سب سے بڑاامتیاز ہے،جس کی وجہ سے پوری دنیا میں اس کا نام روشن ہے، جمہوریت اور آزادی کے اُصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنی مدافعت اور صفائی کے اظہار کا موقع دیا جائے ؛ کیوں کہ ہر شخص کا یہ بنیادی حق ہے کہ اسے اصل میں جرم سے بری سمجھا جائے اور جولوگ اسے مجرم گردانتے ہوں، وہ اس کے خلاف شہادت وثبوت فراہم کریں؛لیکن ادھر ہندوستان میں دہشت گردی کے نام نہاد خطرہ کا جو ہوا کھڑا کیا گیا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جہاں کوئی حادثہ پیش آتا ہے، فوراً شک کی سوئی مسلمانوں کی طرف گھمادی جاتی ہے، مسلمان نوجوانوں کو بےقصور گرفتار کیا جاتا ہے، برسوں مقدمہ چلائے بغیر انھیں جیل میں رکھا جاتا ہے، اور جب پولیس کو اندیشہ ہوتا ہے کہ اس کی غیر قانونی حرکتیں طشت از بام ہوجائیں گی تو پولیس تحویل میں ہی ان کا قتل کردیا جاتا ہے اور حکومت کی طرف سے ایسے ظالم اور قانون شکن پولیس والوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوتی۔

یہ یقیناً جمہوریت کا قتل اور انصاف کا خون ہے اور تمام محبّ وطن شہریوں کا فریضہ ہے کہ وہ اس صورتِ حال کا مقابلہ کریں، اس صورت حال کے مقابلہ کے لئے ایک طرف قانونی لڑائی لڑنے کی ضرورت ہے، ایسی لڑائی جس کو انجام تک پہنچایا جائے ، اب تو صورتِ حال یہ ہے کہ ملزمین کا مقدمہ لڑنے والے وکلاء پر بھی حملہ کیا جاتا ہے اور بعض ریاستوں میں بار کونسلیں فیصلہ کرچکی ہیں کہ کوئی بھی وکیل دہشت گردی کے ملزم کا مقدمہ قبول نہیں کرے گا، ظاہر ہے کہ یہ کھلی ہوئی زیادتی نیز انصاف اور قانون کے مغائر طرز عمل ہے، ہمیں قانونی جنگ میں اس طرح کی ظالمانہ حرکتوں کے خلاف بھی جدوجہد کرنی ہوگی۔

اس کے لئے سیاسی جدوجہد کی بھی ضرورت ہے کہ نہ صرف حکومت کے سامنے اس معاملہ کو پیش کیا جائے ؛ بلکہ تمام سیاسی جماعتوں سے اس پر مذاکرات کئے جائیں، حکومت کی حلیف پارٹیوں اور حزب اختلاف کی جماعتوں سے گفتگو ہونی چاہئے اور ان پر یہ بات واضح کی جانی چاہئے کہ مجرم ہونا اور بات ہے اور ملزم ہونا اور بات ہے، ملزم کے ساتھ مجرم کا سا معاملہ نہیں ہونا چاہئے۔

اس کے لئے انسانی حقوق کی تنظیموں اور سماجی کام کرنے والے اداروں کو مل جل کر میدانِ عمل میں اُترنا چاہئے، پرامن احتجاج ہونا چاہئے، شہروں شہروں اس موضوع پر سیمینار رکھے جانے چاہئیں؛ تاکہ حقیقی صورتِ حال لوگوں کے سامنے واضح ہو سکے۔

خود مسلمانوں کے کرنے کا کام یہ ہے کہ جیسے قانونِ شریعت کے تحفظ کے لئے ''مسلم پرسنل لا بورڈ'' موجود ہے اور جیسے مسلمانوں میں اب ایک سوچ الیکشن میں سیاسی اتحاد قائم کرنے کی اُبھر رہی ہے، اسی طرح مسلمان مسلک ومشرب اور جماعتی اور تنظیمی اختلاف سے اوپر اُٹھ کر ایک ایسا مشترکہ پلیٹ فارم تیار کریں، جس کا واحد ایجنڈہ ایسے مظلوم اور بے قصور مسلمانوں کی مدد اور ان کو بے جا حراست سے آزاد کرانا ہو، یہ اتحاد کہیں سامنے آکر اور کہیں پیچھے رہ کر مختلف پہلوؤں سے مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کرے، اگر اس سلسلہ میں بروقت اقدام نہیں کیا گیا تو اندیشہ ہے کہ مسلمان نوجوانوں کی کمر ٹوٹ جائے گی، ان کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور وہ حق بات کو اپنی زبان پر لانے کی جرأت بھی کھو دیں گے، اس لئے ضرورت ہے کہ اس مسئلہ کو ترجیحی ایجنڈہ بنا کر کام کیا جائے اور ایسی قانون سازی کے لئے کوشش کی جائے کہ مستقل طور پر اس ظلم کا سدباب ہو سکے۔

ہندوستان میں اس وقت مسلمانوں کے لئے ایک نہایت ہی اہم مسئلہ اسلامک بینکنگ کا بھی ہے، موجودہ بینکنگ نظام اس اُصول پر مبنی ہے کہ وہ اپنے کھاتہ داروں سے سود پر قرض لیتا ہے اور اپنے مقروضوں سے سود وصول کرتا ہے، گویا سود لیتا ہے اور سود دیتا ہے، اسلامی نقطۂ نظر سے سود کا لینا بھی حرام ہے اور سود کا دینا بھی، اگر حکومت بینکوں کو براہ راست بزنس کرنے کی اجازت دے دے تو وہ اپنے کھاتہ داروں کو رقم مشغول کر کے تجارتی نفع حاصل کر سکتی ہے اور اس میں سے اپنے کھاتہ داروں کو بھی دے سکتی ہے، اس طرح یہ سود کے بجائے تجارت کا ایک معاملہ بن جائے گا —— اگر حکومتِ ہند اور ریزرو بینک آف انڈیا اس کے لئے قانونی راستہ نکالے جیسا کہ بعض مغربی ملکوں نے نکالا ہے، تو ہندوستان میں عالم عرب اور عالم اسلام کی جانب سے زبردست سرمایہ کاری ہو سکتی ہے۔

اسی طرح علاج گراں سے گراں تر ہوتا جا رہا ہے، سرکاری ہسپتالوں کی بے عملی کی وجہ سے ہر امیر وغریب کارپوریٹ ہاسپٹلوں سے مدد لینے پر مجبور ہے؛ لیکن ہندوستان میں میڈیکل انشورنس کی بنیاد نفع حاصل کرنے پر ہے اور ربا، قمار اور غرر جیسے مفاسد کو شامل ہے، اگر حکومت تعاون پر مبنی انشورنس کی اجازت دیدے اور کمپنی کے لئے بذریعہ تجارت سرمایہ کاری کا راستہ کھلا رکھے تو اسلامی اُصولوں کے مطابق میڈیکل انشورنس کے ادارے قائم ہو سکتے ہیں اور موجودہ انشورنس کمپنیوں کو عالم اسلام میں کام کرنے کا موقع مل سکتا ہے، یہ عجیب بات ہے کہ جنرل انشورنس کمپنی آف انڈیا نے عالم اسلام میں ری انشورنس کے کام کو انجام دینے کے لئے تو بڑی حد تک اسلامی

طریقۂ کار کو قبول کرلیا ہے اور خود یہ حقیر اس کے شرعی ایڈوائزری بورڈ کا ممبر ہے؛ لیکن اندرونِ ملک اس کی اجازت نہیں دی جاتی۔

مسلمان تاجروں اور طبی اداروں کو بھی اس پر غور کرنا چاہئے کہ وہ اپنے طور پر نظام تکافل کا ڈھانچہ بنائیں اور کم سے کم میڈیکل سہولتوں کے لئے اس کا استعمال کریں؛ کیوں کہ جو چیز سماج کی ضرورت بن جاتی ہے، اگر اس کا حلال متبادل فراہم نہیں کیا جائے تو اُمت کو حرام سے بچانا ممکن نہیں ہوتا، و باللہ التوفیق۔

ہندوستان اس وقت جن مسائل سے دوچار ہے، ان کا ایک بنیادی اور مشترک سبب آپسی اختلاف وانتشار ہے، مسلکی اختلاف، ''اختلاف رائے'' سے آگے بڑھ کر تشدد اور قتل وقتال کی صورت اختیار کرتا جارہا ہے اور ڈر لگتا ہے کہ ہندوستان کے حالات بتدریج پڑوسی ملک کی طرح نہ ہوجائیں، ان حالات میں علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ دین اور ملت کے وسیع تر مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے مل جل کر اس ماحول کو بہتر بنائیں، یہ تو ممکن نہیں کہ اختلافات بالکل ختم ہوجائیں؛ لیکن یہ ممکن ہے کہ اختلاف رائے کے اظہار میں اعتدال سے کام لیا جائے، دوسرے فریق کا احترام ملحوظ رکھا جائے اور مشترک مسائل کو مل جل کر حل کیا جائے، اگر ہم نے ایسا نہیں کیا تو مسلمانوں کے لئے اپنے ملی وجود کا باقی رکھنا دشوار ہوجائے گا، اللہ کرے کہ ہم نقش دیوار کو پڑھ سکیں اور حالات کی نزاکت کو محسوس کریں۔

و باللہ التوفیق وھو المستعان .

خالد سیف اللہ رحمانی

۲۷؍رجب ۱۴۳۴ھ

۷؍جون ۲۰۱۳ء

○ ○ ○

رسم عثمانی اور اس سے متعلق فقہی مسائل

مولانا محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی •

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء ورسل پر آنحضرت ﷺ کو فضیلت دی کہ سب کا آپ ﷺ کو سردار بنایا، شب معراج میں رو برو ہم کلامی سے سرفراز فرمایا اور آپ ﷺ کو آخری نبی و رسول بنا کر نبوت و رسالت کے مبارک سلسلہ پر مہر لگا دیا اور آپ پر آخری کتاب قرآن مجید کو نازل فرمایا اور اس آخری کلام پاک کو رہتی دنیا تک تمام انسانوں کے لئے دستور حیات، آئین زندگی اور ہدایت نامہ بنایا، غرضیکہ جس طرح ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا تمام انبیاء اور رسل کے درمیان انتخاب ہوا، اللہ کے کلاموں میں قرآن مجید کا انتخاب ہوا، اسی طرح قرآن مجید کی حفاظت کے لئے حضرات صحابہ کرام ﷺ کا انتخاب عمل میں آیا، ایسا اتفاقیہ یا اچانک نہیں ہوا؛ بلکہ ایک منصوبہ بندی کے تحت ہوا ہے۔

قرآن مجید کی طرز قراءت اور مخارج کی صحت کے ساتھ ایک مخصوص انداز میں اس کی تلاوت توقیفی ہے، جس کا توارث عہد رسالت سے آج تک تواتر سے چلا آ رہا ہے، جسے اُصولِ فقہ کی اصطلاح میں تواتر معنوی کہا جاتا ہے اور تواتر معنوی سے بھی قطعیت ویقینی کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، نیز تاریخی اعتبار سے قراءت قرآن کو جمع قرآن اور اس کی تدوین پر فوقیت وسبقت حاصل ہے، حضرات صحابہ کرام ﷺ راست رسول اللہ ﷺ سے صرف قرآن ہی نہیں سنتے تھے؛ بلکہ طرز قراءت اور اس کی تجوید بھی سیکھتے تھے، جیسا کہ خود قرآن نے اس کی گواہی دی: ''اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا، جو ان ہی میں کا ان میں رسول بھیجا، اُن پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور ان کو (شرک وغیرہ) سے پاک کرتا ہے اور اُن کو کتاب سکھلاتا ہے'' (آل عمران: ۱۶۴)، اس طرح صحابہ کرام ﷺ نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن مجید حاصل کیا، مصاحف میں جمع کیا، سینوں میں محفوظ کیا، اس میں اپنی طرف سے موئے سر بھی آمیزش کو راہ نہیں دی۔

جہاں تک رسم عثمانی کی بات ہے کہ آیا یہ توقیفی ہے یا نہیں، تو اس سلسلہ کی گفتگو آگے کی سطور میں پیش ہے۔

• استاذ: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد۔

کیا رسم عثمانی توقیفی ہے؟

اس سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے، بنیادی طور پر تین اقوال ہیں :

پہلا قول: رسم عثمانی توقیفی ہے

رسم عثمانی رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ سے منقول چلا آ رہا ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، جسے اصطلاح میں توقیفی کہا جاتا ہے، اس میں کسی انسان کے اجتہاد وقیاس کا ذرہ برابر دخل نہیں ہے، جیسے جیسے اور جب بھی قرآن نازل ہوتا تھا، آپ ﷺ کاتبین وحی صحابہ کرام ؓ کو قلم بند کرنے کا حکم فرماتے، اور وہ ضبط تحریر فرما لیتے، پھر وہ آپ ﷺ کے سامنے پڑھ کر سناتے اور آپ ﷺ اس کی تائید فرماتے، اس کے بعد صحابہ کرام ؓ اسے زبانی بھی یاد کر لیتے، اس طرح سینہ بہ سینہ اور سفینہ در سفینہ پھیل جاتا اور صحابہ ؓ کے درمیان مشہور ومعروف ہو جاتا، اس لئے رسم عثمانی کی مخالفت حرام و ناجائز ہوگی، رسم عثمانی کو چھوڑ کر کسی اور رسم الخط میں قرآن کو لکھنا درست نہیں ہوگا، یہی جمہور علماء متقدمین ومتاخرین کا مذہب ہے، بہت سے علماء نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔(۱)

دوسرا قول: رسم عثمانی توقیفی نہیں ہے

ہر زمانہ میں مروجہ رسم الخط میں قرآن کا لکھا جانا اور طبع کرانا درست ہے؛ کیوں کہ رسم عثمانی توقیفی نہیں ہے؛ اس لئے اس کی مخالفت کی جا سکتی ہے؛ تاکہ لوگوں کو قرآن پڑھنے اور سمجھنے میں آسانی ہو، یہ قول بہت سے علماء سلف وخلف کا ہے، جن میں علامہ ابوبکر باقلانیؒ اور علامہ ابن خلدونؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔(۲)

تیسرا قول: بین بین

عوام کے لئے مروجہ رسم الخط میں قرآن مجید کی کتابت وطباعت درست ہے، خواص کے لئے نہیں؛ تاکہ رسم عثمانی کی حفاظت ہو سکے، یہ قول علامہ عزالدین عبدالسلام اور شیخ بدرالدین زرکشی کا ہے۔(۳)

پہلے قول کی دلیلیں

جمہور علماء نے رسم عثمانی کے توقیفی ہونے پر نقلی اور عقلی دونوں طرح کے دلائل سے استدلال کیا ہے، اور وہ یہ ہیں :

---

(۱) علامہ زرقانی نے اس پر صحابہ ؓ کا اجماع نقل کیا ہے اس کے بعد عہد تابعین اور ائمہ مجتہدین کے دور میں اُمت کا اجماع نقل کیا ہے، (مناہل العرفان: ۱/۳۱۰)۔ (۲) ملاحظہ ہو: تاریخ ابن خلدون: ۱/۵۲۷، مناہل العرفان للزرقانی: ۱/۳۱۰۔

(۳) البرہان فی علوم القرآن للزرکشی: ۱/۳۷۹۔

۱- حدیث شریف

حضرت زید بن ثابت ﷺ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس وحی لکھتا تھا، آپ ﷺ وحی املاء کرانے کے بعد فرماتے: ''پڑھ کر سناؤ'' میں جو کچھ لکھا ہوتا، پڑھ کر سناتا، اگر کہیں چھوٹ جاتا تو آپ درست فرمادیتے، اس کے بعد میں اس کو لے کر لوگوں کے پاس آتا۔(۱)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا معمول تھا کہ جب آیات نازل ہوتیں تو کاتبین وحی میں سے موجود بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو بلاتے اور ان سے ارشاد فرماتے: ''اس آیت کو فلاں سورہ میں اس جگہ لکھو جہاں ایسا ایسا ذکر ہے اور جب آپ ﷺ پر ایک دو آیتیں نازل ہوتیں تب بھی ایسا ہی فرماتے۔(۲)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ قرآنی آیات کی حفاظت وصیانت کا بڑا اہتمام فرماتے تھے، خود بھی ان آیات کو حفظ فرمالیتے جو آپ ﷺ پر نازل ہوتیں، اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھاتے اور ان کو حفظ اور مذاکرہ کرنے کا حکم فرماتے تھے، کاتبین وحی سے لکھوانے کے بعد دوبارہ پڑھوا کر سنتے اور غلطیوں کی تصحیح کے بعد تصدیق فرماتے، اس کے بعد دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس لے جانے کی اجازت ہوتی، اس طرح وہ ان کے درمیان عام ہو جاتیں۔

علماء بلکہ پوری اُمتِ مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ پورا قرآن نبی کریم ﷺ کے سامنے لکھا گیا، آپ ﷺ کی نگرانی میں قلم بند ہوا اور جس رسم الخط میں لکھا گیا اس پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتفاق کی آپ ﷺ نے تصدیق وتوثیق فرمائی، معلوم ہونا چاہئے کہ حدیث کی قسموں میں سے ایک قسم حدیث تقریری بھی ہے، اور حدیث تقریر محدثین اور فقہاء اُصولیین کے نزدیک حجت ہے، اگر قرآن کی کتابت میں کسی طرح کی غلطی ہوتی تو آپ ﷺ ہرگز اس کی تصدیق وتوثیق نہیں فرماتے؛ اس لئے کہ یہ شانِ نبوت کے خلاف ہوتا اور اللہ تعالیٰ کے صریح قول کے مغائر عمل ہوتا(۳) اور آپ ﷺ کی ذات بابرکت سے ایسا دور دور تک خیال بھی نہیں کیا جا سکتا۔

۲- عمل صحابہ رضی اللہ عنہم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب خلافت کے بار کو سنبھالا تو جمع قرآن کا حکم دیا اور کاتبوں کو اسی طریقہ پر لکھنے کا حکم دیا، جس طریقہ پر عہد رسالت میں لکھا گیا تھا، تیسرے خلیفہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت

---

(۱) امام ہیثمی نے امام طبرانی کے حوالہ سے دو سندوں سے روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا: ''رجال أحدهما ثقات'' (مجمع الزوائد: ۸/۲۵۷)۔

(۲) ابوداود، صلاۃ، باب من جہر بہا، حدیث نمبر: ۷۸۶، ترمذی، تفسیر سورہ توبہ، حدیث نمبر: ۳۰۸۶، امام ترمذی کا بیان ہے: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ''۔(الحجر: ۹)

میں جب قراءت میں لوگوں کے درمیان اختلاف ہونے لگا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مرتب شدہ صحیفہ سے کئی نسخے تیار کرنے کا حکم دیا۔(۱)

۳- اجماع

پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ان نسخوں کو مختلف اہم اسلامی شہروں میں روانہ کردیا، اس وقت بارہ ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے، سبھوں نے بخوشی اس نسخہ کو قبول کیا، کسی ایک نہ بھی اختلاف نہیں کیا، ان کے بعد تابعین، ائمہ مجتہدین اور ائمہ قراء نے اپنے اپنے زمانے اور شہروں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع کیں اور کسی نے اختلاف نہیں کیا، اسی وجہ سے قاضی عیاض، جعبری، ابوعمرو دانی اور شیخ محمد بن علی حداد مصری وغیرہ نے رسم عثمانی کے اتباع کے وجوب پر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتفاق اور اُمت مسلمہ کا اجماع نقل کیا ہے، اور اجماع حجت شرعی ہے۔(۲)

۴- قیاس

املاء کے اُصول وقواعد تغیر زمانہ کے ساتھ تغیر پذیر ہوتے ہیں اور ملک وشہر کے اعتبار سے کچھ نہ کچھ جداگانہ ہوتے ہیں؛ اس لئے اگر قرآن رسم قیاسی کے مطابق لکھا جاتا اور اس کے رسم کو ہر زمانہ کے مروجہ اُصول املاء کے تابع کیا جاتا تو قرآنی نسخوں میں زبردست اختلاف ہوجاتا، جس کے نتیجہ میں قرآنی الفاظ وکلمات میں جوہری تبدیلی واقع کرنے کی راہ دشمنوں کے لئے ہموار ہوجاتی، اور آئندہ دشمنانِ اسلام کی طرف سے قرآن تصحیف وتحریف اور کتر بیونت سے محفوظ نہیں رہ پاتا، اور اسلام کے بنیادی اُصولوں میں ایک سدالذرائع ہے، یعنی جوشئ کسی فساد کا ذریعہ بنے وہ شرعاً ممنوع ہوتی ہے؛ لہٰذا ہر وہ عمل جو قرآن کے تقدس اور بقاء رسم عثمانی کے خلاف ہو وہ ناجائز وحرام ہوگا۔(۳)

۵- رسم عثمانی کی خصوصیات وامتیازات

رسم عثمانی کی بعض ایسی خصوصیات وامتیازات ہیں جو دیگر رسم املائی میں نہیں پائی جاتیں، ان خصوصیات میں سے بعض یہ ہیں :

(الف) لفظ میں مختلف قراءتوں کا احتمال

اس سلسلہ کی واضح مثال یہ ہے کہ تاء تانیث کبھی ہاء کے ساتھ اور کبھی لمبی تاء کے ساتھ لکھی گئی ہے، ایسا اتفاق

---

(۱) مناهل العرفان للزرقانی:۱/۳۱۰۔ (۲) الشفاء:۲/۳۰۵،سمیر الطالبین للشیخ الضباع ، ص:۱۹،خلاصة النصوص ، الجلیة للشیخ محمد بن علی الحداد،ص:۲۵،مناهل العرفان:۱/۳۱۱۔

(۳) تاریخ المصحف الشریف للشیخ القاضی،ص:۸۶۔

طور پر نہیں ہوا ہے؛ بلکہ قراءت کی تبعیت میں ہوا ہے؛ چنانچہ کلمہ ''بیـنـة'' پورے قرآن میں انیس مقامات پر آیا ہے، سوائے ایک مقام کے تمام مقامات پر ہاء کے ساتھ ''بیـنـة'' آیا ہے، وہ ایک مقام سورہ فاطر میں آیت نمبر:۴۰ میں لمبی تاء(ت) کے ساتھ آیا ہے''أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَاباً فَهُمْ عَلَى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ''۔

اس کی وجہ دراصل قراءت کا اختلاف ہے،بعض قراء جمع ''بینات'' پڑھتے ہیں؛ جب کہ دوسرے بعض قراء مفرد پڑھتے ہیں،اس لئے تاء کے ساتھ ''بینت'' لکھا گیا؛ تاکہ دونوں قراءتوں کا احتمال باقی رہے،سورہ فاطر آیت نمبر:۴۰ کو چھوڑ کر دوسری جگہوں پر قراءت کا کوئی اختلاف نہیں ہے،اس لئے مفرد ہاء کے ساتھ ''بینة'' لکھا گیا۔(۱)

(ب) اصل حرکت پر دلالت

مصحف عثمانی حرکات اور نقطوں سے خالی تھا،اسی وجہ سے بعض حرکات کی طرف حروف کے ذریعہ اشارہ کیا گیا، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد:''مـن نبـائ الـمـرسلین ''(الانعام:۳۴) میں ہمزہ کے بعد یاء کا اضافہ دراصل کسرہ (زیر) پر دلالت کے لئے ہے،اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد:''سَأُوْرِيْكُمْ دَارَ الْفَاسِقِيْنَ ''(الاعراف:۱۴۵) میں واؤ کا اضافہ ہمزہ کے بعد دراصل اس بات پر دلالت کے لئے ہے کہ ہمزہ پر پیش کی حرکت ہوگی۔(۲)

(ج) اصل حرف پر دلالت

جیسے:الصلاۃ،الزکاۃ،الحیاۃ اور الربا میں الف کے بدلہ واؤ (الصلوٰۃ،الزکوٰۃ،الحیوۃ،الربو) کے ساتھ لکھا جانا اور یاء کے ساتھ اس کے اوپر الف کھڑا ڈالنا دراصل اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ یہاں امالہ ہوگا،یعنی تھوڑا کھینچ کر پڑھا جائے گا،جیسے:اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''والضحیٰ ، فھدیٰ ، التقویٰ ، یغشٰی ''۔(۳)

(د) بعض دقیق معانی پر دلالت

رسم عثمانی کی نمایاں خصوصیات میں سے ایک دقیق معانی پر اس کی دلالت ہے،اس حد تک رسائی کافی غور وخوض کے بعد ہی ہوتی ہے، یا اللہ تعالیٰ جس کے دل پر چاہے اس گتھی کو کھول دے،جیسا کہ بعض علماء کا بیان ہے، اس کی مثالوں میں سے ایک مثال اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْيدٍ وَإِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ''(ذاریات:۴۷) ''بـأییـد'' دو یاء وں کے ساتھ اللہ کی عظمت وقدرت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح بلند وبالا آسمان

---

(۱) الـنشـر فـی الـقـراء ات الـعشر لابن الجزری :۱۲۹/۲،اور اس کے بعد کے صفحات،ط:دار الفکر،رسـم الـمصحف وضبطه للدکتور شعبان محمد اسماعیل،ص:۶۹،ط:دار السلام القاہرۃ،مصر۔

(۲) النشر فی القراء ت العشر لابن الجزری:۴۶۰/۱،رسم المصحف و ضبطه،ص:۷۱۔

(۳) رسم المصحف وضبطه،ص:۷۱۔

کو بغیر کسی ستون کے ہمارے سروں پر کھڑا کر دیا، یہ ایک ایسی قوت کا مظاہرہ ہے کہ جس کے مشابہ کوئی قوت نہیں، مزید ایک مشہور قاعدہ ہے کہ: ''**زیادۃ المبنی تدل علی زیادۃ المعنی**''(۱) الفاظ کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔

مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہو گیا کہ قرآن مجید کے الفاظ وکلمات اور اس کی شکل ورسم الخط (رسم عثمانی) سب توقیفی ہیں، قیاس واجتہاد پر مبنی نہیں ہیں۔(۲)

دوسرے اور تیسرے قول کا جائزہ

دوسرا قول: ''رسم عثمانی توقیفی نہیں ہے، اس لئے ہر زمانہ میں مروجہ رسم الخط میں قرآن کی کتابت درست ہوگی'' اس قول کی تردید مذکورہ بالا دلائل سے ہو جاتی ہے مزید اس کی تردید اور اس قول کے جواب دینے کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے۔

جہاں تک تیسرے قول: ''قرآن کے دو رسم الخط ہونے چاہئیں، ایک خاص لوگوں کے لئے اور وہ رسم عثمانی ہے، دوسرے عوام کے لئے اور وہ ہر زمانہ کا مروجہ رسم الخط ہے'' کی بات ہے تو اس قول کے قائلین کی بنیادی دلیل قرآن کریم کو عام جاہل لوگوں کی تحریف سے حفاظت اور تلاوت کلام پاک میں خطا سے صیانت ہے، جیسا کہ علامہ زرکشی نے شیخ عزالدین عبدالسلام کے حوالہ سے اپنی کتاب ''البرہان فی علوم القرآن: ۱/۳۷۹'' میں صراحت کی ہے۔

اگر حقیقت پسندانہ نظر سے دیکھا جائے تو تیسرا قول عمل رسول وصحابہ، اجماع اور مقاصد شریعت کے خلاف معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ جمہور علماء کے دلائل کے ذیل میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے، مزید برآں غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تیسرے قول پر عمل کرنے سے قرآن مجید میں شک وشبہ کا دروازہ کھل جائے گا کہ دونوں رسم الخط میں سے کونسا رسم الخط درست ہے؟ انجام کار قرآن میں تحریف وتبدیل کا باعث بنے گا اور یہ بالاتفاق حرام ہے، اس اعتبار سے تیسرے قول میں بڑے مفاسد ہیں، اور شریعت اسلامیہ کا اُصول ہے: ''**درء المفاسد أولی من جلب المصالح**''(۳) یعنی مفاد ومفاسد کے اجتماع کے وقت دفع مفاسد اولیٰ ہے؛ لہٰذا ''**سداً لباب الفتنه**'' (فتنہ ومفاسد کے دروازہ کو بند کرنے کے لئے) جمہور علماء کے مذہب کو اختیار کرنا واجب معلوم ہوتا ہے، نیز جمہور علماء کا قول اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے ہم آہنگ اور مؤید معلوم ہوتا ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

(۱) رسم المصحف وضبطه، ص: ۱۷۔

(۲) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: القراء ات فی نظر المستشرقین والملحدین للشیخ عبد الفتاح القاضی، ص: ۵۳، ط: مجمع البحوث الاسلامیه بالازهر: ۱۹۷۲ء۔

(۳) الاشباه والنظاهر لابن نجیم المصری: ۱/۹۱، ط: ریاض۔

إِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُوۡنَ . (الحجر:۹)

رہا یہ نصیحت نامہ، تو اس کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

لاَ يَأۡتِيۡهِ الۡبَاطِلُ مِن بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِهِ تَنزِيۡلٌ مِّنۡ حَكِيۡمٍ حَمِيۡدٍ . (۱)

یہ ایک زبردست کتاب ہے، باطل نہ سامنے سے اس پر آسکتا ہے، نہ پیچھے سے، یہ ایک حکیم وحمید کی نازل کردہ چیز ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

یہ کہنا کہ ہر زمانہ کے مروجہ رسم الخط میں لکھے جانے کی اجازت سے عام لوگوں کے لئے قرآن کی تعلیم حاصل کرنا، اس کا پڑھنا پڑھانا اور تلاوت کرنا آسان ہوگا۔

یہ محض اشکال برائے اشکال ہے؛ کیوں کہ رسم عثمانی میں مکتوب پہلی صدی سے آج تک محفوظ چلا آرہا ہے اور غیر عرب ان گنت حفاظ گزرے ہیں اور آج بھی ان گنت پائے جاتے ہیں، جو معانی نہیں سمجھتے ہیں صرف الفاظ کو تجوید کے ساتھ پڑھنا جانتے ہیں، اور صرف دیکھ کر ناظرہ خواں پہلے بھی اور آج بھی حفاظ سے کہیں زیادہ ان گنت لوگ پائے جاتے ہیں، اگر کچھ لوگوں کے لئے اس میں دشواری ہے تو اس کی وجہ سے رسم عثمانی (یعنی جس رسم الخط قرآن لکھا ہوا موجود ہے) کو بدل کر دوسرے مروجہ رسم الخط میں لکھنے کو جائز قرار دینا نامعقول بات معلوم ہوتی ہے، ایسے لوگ تھوڑی محنت ومشقت کریں تو ان کے لئے رسم عثمانی میں لکھے ہوئے قرآن کا پڑھنا چنداں مشکل نہیں؛ کیوں کہ غیر عربی داں کا صرف قرآن کے متن کو پڑھنا سیکھ لینا اور عرب کی طرح تجوید اور صحت مخارج کے ساتھ قراءت کرنا، یہ مستقل قرآن کا اعجاز ہے، اسی اعجاز قرآنی کی طرف اللہ تعالیٰ نے خود اشارہ فرمایا: ولقد یسرنا القرآن، (۲) (قمر:۱۷،۲۲،۳۲،۴۰) ''ہم نے اس قرآن کو آسان کردیا ہے''۔

غور وفکر کا مقام ہے کہ رسم عثمانی کو چھوڑ کر عصری مروجہ رسم الخط میں لکھنے کے جواز پر جس دشواری کو بنیاد بنایا جاتا ہے، وہ دشواری نئی نہیں ہے؛ بلکہ قدیم ہے اور خلفاء راشدین اور بعد کے فتوحات اسلامیہ کے زمانہ میں یہ دشواری کچھ زیادہ ہی تھی، اسلامی سلطنت کافی پھیل چکی تھی اور مسلمان دور دراز مختلف علاقوں میں بسے ہوئے تھے اور قرآن کے معلمین اتنی تعداد میں نہیں تھے کہ ہر علاقہ میں روانہ کئے جاسکیں، اس کے باوجود اس زمانہ کے علماء نے رسم عثمانی کو چھوڑ کر علاقائی رسم الخط میں لکھے جانے کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا، معلوم ہوا کہ صحابہ، تابعین اور ائمہ مجتہدین نے جس طرح قرآن کے لفظ ومعنی کی حفاظت کو ضروری سمجھا، اسی طرح رسم عثمانی کی حفاظت کو بھی ضروری تصور کیا۔

---

(۱) فصلت:۴۲۔ (۲) أی سهلنا للحفظ وأعنا علیه من أراد حفظه ، فهل من طالب لحفظه فیعان علیه ، قال سعید بن جبیر: ''لیس من کتب الله یقرأ کله ظاهرا إلا القرآن'' (تفسیر قرطبی:۱۷/۸۷)۔

قرآن مجید کا معاملہ عجیب وغریب ہے کہ جہاں ہر حرف کے پڑھنے پر دس نیکیاں ملتی ہیں، وہیں اگر کوئی اٹک اٹک کر پڑھتا ہے، پڑھنے میں دشواری کو برداشت کرتا ہے تو اس پر علاحدہ نیکیاں ملتی ہیں؛ لہٰذا اگر کوئی قرآن کے الفاظ وتجوید کو پڑھنے میں تھوڑی دقت برداشت کرے تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے اُمید ہے کہ اس پر بھی اجر وثواب ضرور ملے گا، آخر میں یہی کہنا پڑتا ہے :

عزم محکم ہو تو ہوتی ہیں بلائیں پسپاں

۱- مجمع البحوث الاسلامیہ ازہر کی تجاویز

(۱) قرآن کی قرأتیں اجتہادی وقیاسی نہیں ہیں؛ بلکہ توقیفی ہیں، ان کا انحصار متواتر روایات پر ہے۔

(۲) کانفرنس اپیل کرتی ہے کہ مسلمان قرآن شریف کی رسم عثمانی پر بھروسہ واعتماد کریں؛ تاکہ قرآن مجید تحریف سے محفوظ رہ سکے۔(۱)

۲- ہیئۃ کبار العلماء مملکت سعودی عرب کی تجویز

ہیئۃ کبار العلماء مملکت سعودی عرب کی قرارداد یہ ہے کہ مصحف کی رسم الخط رسم عثمانی کے مطابق باقی رہے، اس میں تغیر وتبدل جائز نہیں، کہ جدید رائج املائی رسم الخط کے قواعد کے موافق ہوجائے، ایسا اس لئے تاکہ اللہ کی کتاب تحریف سے محفوظ رہ سکے اور صحابہ وائمہ سلف کی سنت کی پیروی ہوجائے۔

۳- رابطہ اسلامی کے ماتحت قائم اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کی تجاویز

(۱) یہ ثابت ہے کہ عثمانی رسم الخط میں قرآن کریم کی کتابت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں انجام پائی، انھوں نے کاتبین کو حکم دیا کہ قرآن کریم کی کتابت ایک مقررہ رسم الخط میں کریں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے اتفاق کیا اور تابعین بھی اسی راہ پر گامزن رہے اور آج تک ہر دور کے لوگوں نے اس کی پابندی کی، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم پر میری سنت اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کی پیروی ضروری ہے''؛ لہٰذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی اور ان کے اجماع پر عمل کرتے ہوئے قرآن کریم کو اسی رسم الخط میں تحریر کرنا متعین ہوجاتا ہے۔

(۲) عثمانی رسم الخط کو چھوڑ کر موجودہ رائج املائی رسم الخط کو پڑھنے کی آسانی کی غرض سے اختیار کرنا دراصل پھر دوسری تبدیلی کو دعوت دیتا ہے؛ کیوں کہ یہ املائی رسم الخط ایک نوع کی اصطلاح ہے جو آئندہ کسی دوسری اصطلاح

---

(۱) مجمع البحوث الاسلامیہ، تاریخہ وتطورہ ۱۴۰۳ھ-۱۹۸۳ء، ص:۴۲۵-۴۲۶

میں بدل سکتی ہےاوران تبدیلیوں کے نتیجہ میں قرآن کے بعض حروف میں کمی زیادتی اور تبدیلی کی صورت میں قرآن کے اندر تحریف کا باعث بن جائے گی، اور گذرتے ایام کے ساتھ قرآن کے مختلف نسخوں میں فرق واقع ہوجائے گا، اوراسلام دشمنوں کو قرآن کریم پر انگشت نمائی کا موقع مل جائے گا، اسلام نے شر کے ذرائع اور فتنہ کے اسباب کا سدباب کیا ہےاوران پر بندش لگائی ہے۔

(۳) قرآن کریم کی کتابت میں اگر عثمانی رسم الخط کی پابندی نہ کی جائے تو اللہ کی کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ جائے گی کہ جب جب کسی انسان کو کوئی نیا خیال سمجھ میں آئے گا تو اسے بروئے کار لے آئے گا، کوئی اسے لاطینی زبان میں اور کوئی کسی اور زبان میں تحریر کرنے کی تجویز پیش کرے گا جو ایک خطرناک عمل ہے، اور مفاسد کا ازالہ مصالح کے حصول سے زیادہ اہم ہے۔

اجلاس میں اس موضوع پر غور وخوض کے بعد بالاتفاق فیصلہ کیا گیا کہ ہیئۃ کبار العلماء سعودی عرب کی اس قرارداد کی تائید کی جائے کہ قرآن کے عثمانی رسم الخط میں تبدیلی جائز نہیں ہےاور موجودہ رسم الخط ہی میں اسے باقی رکھنا واجب ہے؛ تاکہ ایک دائمی دلیل وحجت اس بات کی ہو کہ قرآن کے متن میں کسی قسم کی تحریف یا تبدیلی نہیں ہوئی ہے، اس کی پابندی ہی میں صحابہ کرام اور ائمہ سلف کی پیروی واتباع بھی ہے۔(۱)

غیر عربی زبانوں میں قرآن کا متن

گذشتہ تحریر سے ثابت ہوگیا کہ عثمانی رسم الخط میں قرآن کی کتابت توقیفی ہے، قیاسی واجتہادی نہیں اس اساس پر چند فقہی مسائل متفرع ہوتے ہیں: ان ہی میں سے ایک مسئلہ عربی زبان کو چھوڑ کر دوسری زبانوں میں جیسے انگریزی، ہندی، فرنچ، لاطینی، تلگو اور تامل وغیرہ میں قرآن کے متن کی کتابت کا ہے، آیا شرعاً اس کی گنجائش ہوگی یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ شرعاً اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے؛ بلکہ مطلق ناجائز وحرام عمل ہوگا، خواہ حروف وکلمات کی تقدیم وتاخیر یا تقلیل وتکثیر یا بعض حروف وکلمات کو بدلنے کی نوبت آئے یا نہ آئے؛ کیوں کہ عثمانی رسم الخط کی مخالفت لازم آئے گی، مزید برآں قرآنی کلمات وحروف میں تغیر وتبدل لازم آئے گا اور یہ قرآن میں ایک گونہ تحریف ہے اور تحریف بالاجماع حرام ہے، اور یہ چوں کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے خلاف بھی لازم آتا ہے :

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ . (الحجر:۹)

رہا یہ نصیحت نامہ، تو اس کو ہم نے نازل کیا ہےاور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

لاَ يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ . (۲)

(۱) مجلۃ المجمع الفقهی الاسلامی، العدد الرابع، السنة الثانية:۱۴۱۰ھ-۱۹۸۹ء،ص:۴۸۵-۴۸۶۔
(۲) فصلت:۴۲۔

یہ ایک زبردست کتاب ہے، باطل نہ سامنے سے اس پر آ سکتا ہے، نہ پیچھے سے، یہ ایک حکیم وحمید کی نازل کردہ چیز ہے۔

اسی وجہ سے عربی کے علاوہ کسی دوسرے رسم الخط میں قرآن کی کتابت کو چاروں اماموں میں سے کسی نے جائز قرار نہیں دیا۔(۱)

یہ بات تحقیق سے ثابت ہے کہ بعض زبانوں میں قرآن کے بعض حروف (ذ، ز، ظ، ض) کے بدل حروف موجود نہیں ہیں، انگریزی، ہندی، تامل اور گجراتی وغیرہ زبانوں میں یہ حروف صرف ایک ہی طریقہ سے ادا کئے جاتے ہیں؛ حالاں کہ ان حروف کے درمیان بڑا فرق ہے، ان کے باہم اختلاف سے معانی ومفاہیم میں بڑا فرق پیدا ہو جاتا ہے؛ لہٰذا جب یہ حروف ایک طریقہ پر ادا کئے جائیں گے تو لازماً قرآن میں لفظی اور معنوی تحریف لازم آئے گا اور قرآن میں تحریف حرام ہے۔

نیز انگریزی زبان کے حرکات حروف کی شکل میں لکھے جاتے ہیں، ایسی صورت میں قرآن کے حروف میں اضافہ کرنا لازم آئے گا اور یہ زیادتی قطعاً حرام ہے؛ کیوں کہ اس سے بھی قرآن میں تحریف واقع ہوگا۔

غیر عربی رسم الخط میں قرآن کے متن کی طباعت واشاعت

غیر عربی زبانوں میں جب قرآن کی کتابت حرام ہے تو اس کی طباعت اور اشاعت بھی حرام ہوگی، (۲) خواہ قرآن کا متن ایک جانب عربی میں ہو دوسری طرف دوسری زبانوں میں ہو، یا تحت اللفظ یعنی عربی عبارت کے نیچے دوسری زبان میں قرآن کا متن لکھا ہو؛ کیوں کہ مزید اس کی اشاعت ناجائز عمل کو عام کرنا اور گناہ پر تعاون ہے؛ لہٰذا راست ایسا کرنے والا اور اس پر کسی طرح کی مدد کرنے والا دونوں گنہگار رہوں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَلاَ تَعَاوَنُوا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ'' (المائدۃ:۲) ''گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو''۔

○ ○ ○

---

(۱) الإتقان فی علوم القرآن للسیوطی:۲/۱۷۱۔

(۲) قاعدۃ: ''ما حرم فعله حرم طلبه'' (الأشباہ مع الحموی:۱/۳۹۲)۔

تکافل (اسلامی انشورنس)

پس منظر، ضرورت، اسلامی طریقۂ کار

خالد سیف اللہ رحمانی

انسان ایک عاجز مخلوق ہے، اسے بہت سے ایسے واقعات اور حادثات سے گزرنا پڑتا ہے، جو اس کے لئے تکلیف دہ اور ناگوار خاطر ہوا کرتے ہیں، وہ چاہتا ہے کہ ایسے خطرات اور اندیشوں سے اس کو امن حاصل ہو، یا کم سے کم اس کی تلافی کی صورت ہو، مثلاً اس کے گھر میں آگ لگ جائے، اس کا اسٹیمر ڈوب جائے، اس کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوجائے، وہ ایسے حادثہ سے دوچار ہوجائے، جس سے اس کے کام کرنے کی صلاحتیں متاثر ہوجائیں، تو کوئی ایسی شکل موجود ہو کہ اس کی دشواریاں کم ہوجائیں اور اس کے نقصان کا مکافات ہوسکے، بعض دفعہ انسان کو اپنے متعلقین کی فکر دامن گیر ہوتی ہے، مثلاً یہ کہ اگر میری موت واقع ہوجائے تو میرے بچوں کی گزر بسر کیسے ہوگی؟ — انسان چاہتا ہے کہ وہ ایسے پرخطر اوقات کے لئے کوئی پیش بندی کرلے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ صنعتی ترقی اور مشینی وسائل نے انسان کو سہولت تو بہت پہنچائی ہے؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسی نسبت سے خطرات میں بھی اضافہ کیا ہے، انسان اپنے ہاتھ سے جو کام کرتا ہے، اس کی رفتار اس کے قابو میں ہوتی ہے، مشین کے ذریعہ جو کام انجام پاتا ہے، اس کی نوعیت یہ نہیں ہوتی ہے، مثلاً ایک شخص تیز دوڑ رہا ہو اور آگے کوئی کھائی نظر آجائے تو وہ چشم زدن میں اپنے آپ کو روک سکتا ہے؛ لیکن اگر وہ تیز رفتار موٹر چلا رہا ہو اور اچانک ایک فرلانگ کے فاصلہ پر کھائی نظر آئی تو اتنی جلدی وہ اپنی گاڑی کو کنٹرول نہیں کرسکتا، یہ محض ایک مثال ہے، ورنہ تو زندگی کے تمام شعبوں میں انسانی عمل اور مشینی عمل کا یہ فرق بالکل واضح ہے، خطرات جس قدر بڑھتے ہیں، اسی قدر ان کے سد باب کی ضرورت بھی بڑھتی جاتی ہے۔

انشورنس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ جو خطرات افراد واشخاص کے لئے قابل برداشت نہ ہوں، ان کو اس قدر تقسیم کردیا جائے کہ وہ لوگوں کے لئے قابل برداشت ہوجائے، مثلاً کسی گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہوجائے اور ڈرائیور کو دس لاکھ روپے ہرجانہ ادا کرنے کو کہا جائے تو شاید وہ اسے زندگی بھر میں بھی ادا نہ کرسکے؛ لیکن اگر ایک لاکھ افراد

ڈرائیور کے پیشہ سے جڑے ہوئے ہوں اور ایک معاہدہ کے تحت ایسے موقع پر ہر ڈرائیور دس روپے ادا کردے تو اتنی رقم کا ادا کرنا کسی کے لئے بھی بار خاطر نہ ہوگا، انشورنس کا اصل مقصد یہی ہے۔

اسلام اور انشورنس کے بنیادی مقاصد

غور کیا جائے تو اپنے بنیادی مقصد کے اعتبار سے انشورنس اسلام کے 'نظام تکافل' کے عین مطابق ہے اور کتاب وسنت میں اس کی مختلف نظیریں موجود ہیں، بعض کا ذکر یہاں مناسب ہوگا :

(۱) اسلام میں کسی شخص سے متعلق جتنے واجبات ہیں، ان میں سب سے گراں قدر دیت (خون بہا) ہے، شریعت میں دیت کا اُصول یہ ہے کہ اس کی ادائیگی تنہا مجرم پر نہیں ہوگی ؛ بلکہ اس کے عاقلہ رشتہ دار مل کر اسے ادا کریں گے، بظاہر اس کی دو مصلحتیں ہیں: ایک یہ کہ ایک بھاری ہرجانہ کی ادائیگی عام افراد کے بس سے باہر ہوتی ہے تو اس کے لئے تعاون کا ایک راستہ موجود رہے، دوسرے: جب دیت ادا کرنے میں تمام لوگ شریک ہوں گے تو سب لوگ مل کر جرم کو روکنے کی کوشش بھی کریں گے، دیت صرف قتل عمد پر ہی واجب نہیں ہوتی ؛ بلکہ قتل خطاء پر بھی واجب ہوتی ہے، اس طرح ایک متوقع خطرہ کی تلافی کو بہت سے ایسے افراد پر تقسیم کردیا گیا ہے کہ اس کی ادائیگی ناقابل تحمل باقی نہ رہے، انشورنس کا بھی بنیادی منشاء یہی ہے، حضرت عمرؓ نے اس میں مزید وسعت برتتے ہوئے رشتہ داروں کی بجائے اس کے لئے ''اہل ارزاق'' اور ''اہل دیوان'' کے دو گروپ بنادیئے، اہل دیوان سرکاری اور فوجی ملازمین تھے اور اہل ارزق وہ فقراء تھے جن کو ان کی غربت کی وجہ سے وظیفہ دیا جاتا تھا؛ چنانچہ احناف نے اسی سے اخذ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایک پیشہ کے لوگ باہم ایک دوسرے کے ''عاقلہ'' ہوں گے :

لو كان اليوم قوم تناصرهم بالحرف فعا قلتهم اهل الحرفة . (۱)

اس میں مزید سہولت ہے؛ کیوں کہ ایک پیشہ کے لوگ ایک طرح کے خطرہ سے دوچار ہوتے ہیں؛ اس لئے وہ زیادہ خوش دلی کے ساتھ اس میں حصہ لے سکتے ہیں۔

(۲) رسول اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا :

من ترک دینا أو ضیاعاً فلیأتنی فأنا مولاه . (۲)

جو دین یا قابل پرورش لوگوں کو چھوڑ جائے تو میرے پاس آئے، اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بات امیر وفرمانروا کی حیثیت سے فرمائی ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسلامی مملکت کا بیت المال ایسی ضرورتوں کو پوری کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔

---

(۱) ہدایہ: ۳۶۰/۴۔ (۲) صحیح البخاری، کتاب الکفالة، باب الدین، حدیث نمبر: ۲۱۷۶۔

ایک اور روایت میں یہ مضمون زیادہ وضاحت کے ساتھ منقول ہے :

فأيما مؤمن مات وترک مالاً فليرثه عصبته من كانوا ، ومن ترک دينا أو ضياعاً فليأتني فأنا مولاه . (۱)

لہٰذا جس مؤمن کا انتقال ہوجائے اور وہ ترکہ میں مال چھوڑے تو وہ اس کے عصبہ وارثین کے لئے ہے، اور جو قرض کو یا قابل پرورش لوگوں کو چھوڑ جائے تو میرے پاس آئے، میں ان کا ذمہ دار ہوں۔

(۳) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

أيما أهل عرصة أصبح فيهم امرؤ جائع فقد برئت منهم ذمة الله . (۲)

جس آبادی کے لوگوں میں کسی شخص کی صبح اس طرح ہو کہ وہ (رات کو) بھوکا رہا ہو، تو ان سے اللہ تعالیٰ کا ذمہ بری ہے۔

(۴) رسول اللہ ﷺ نے یمن کے قبیلہ اشعر کی تحسین کرتے ہوئے ان کی اس خوبی کا ذکر فرمایا کہ سفر ہو یا حضر، جب ان کا کھانا کم پڑ جاتا ہے تو سب لوگ اپنی غذائی اشیاء کو اکٹھا کر لیتے ہیں اور تمام لوگوں کی ضرورت اجتماعی طریقہ پر پوری کی جاتی ہے، روایت کے الفاظ اس طرح ہیں :

إن الأشعريين إذا أرملوا في الغزو ، أو قلّ طعام عيالهم في المدينة ، جمعوا ماكان عندهم فى ثوب واحد ، ثم اقتسموه بينهم في إناء واحد بالسوية ، فهم مني ، وأنا منهم . (۳)

اشعری لوگوں کا سفر میں جب توشہ ختم ہوجاتا ہے یا مدینہ میں انھیں کھانے کی تنگی ہوتی ہے تو وہ سب کے پاس کا غلہ ایک کپڑے میں جمع کرتے ہیں، پھر اسے ایک پیالہ سے برابر برابر تقسیم کر لیتے ہیں، وہ مجھ سے ہیں، میں ان سے ہوں۔

اس میں بھی آپ نے جس طریقۂ کار کی تعریف کی، وہ یہی اجتماعی کفالت کا طریقہ ہے۔

(۵) مشہور واقعہ ہے کہ حضرت ابوعبیدہ ؓ کی امارت میں ایک 'سریہ' کسی مہم پر گیا ہوا تھا، ایک مرحلہ ایسا آیا کہ جس میں غذائی اشیاء نہایت قلیل مقدار میں باقی رہ گئیں، حضرت ابوعبیدہ ؓ نے اس موقع پر تمام لوگوں کے

(۱) صحيح البخاری ، كتاب الاستقراض ، باب الصلاة على من ترك دينا، حدیث نمبر:۲۲۶۹۔

(۲) مسند احمد ، عن ابن عمرؓ:۳۳/۲، حدیث نمبر:۳۳/۲۔

(۳) صحيح البخاری ، كتاب الشركة ، باب فى الطعام والنهد والعروض، حدیث نمبر:۲۳۵۴۔

پاس موجود خوردنی اشیاء جمع کیں اوران کے ذریعہ اجتماعی طور پر لوگوں کے کھانے کا نظم کیا گیا، یہاں تک کہ بعد میں ان حضرات کو ایک بڑی مچھلی مل گئی، جس کو اس زمانہ میں 'سمک عنبر' سے تعبیر کیا جاتا تھا — عجب نہیں کہ وہ وہیل مچھلی رہی ہو — کافی دنوں تک مجاہدین اسی سے اپنی غذائی ضرورت پوری کرتے رہے، روایت کے الفاظ اس طرح ہیں :

فأمر أبو عبيده بأزواد ذلك العيش ، فجمع ذلك كله ، فكان مزودي تمر ، فكان يقوتنا كل يوم قليلاً قليلاً حتى فني .... (۱)

ان دونوں واقعات میں اجتماعی کفالت کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور یہی انشورنس کا بھی بنیادی مقصد ہے۔

(۲) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

إن المسئلة لا تحل إلا لأحد ثلاثة ، رجل تحمل حمالة فحلت له المسئلة حتى يصيبها ثم يمسك ، ورجل أصابته جائحة اجتاحت ماله فحلت له المسألة حتى يصيب قواما من عيش ، أو قال : سداداً من عيش .... (۲)

سوال کرنا تین ہی آدمیوں کے لئے جائز ہے، ایک وہ شخص جس نے کوئی ذمہ داری قبول کی تو اس کے لئے اس ذمہ داری کو پوری کرنے کی حد تک سوال کرنا جائز ہے، پھر اس کے بعد وہ اس سے رُک جائے، دوسرے وہ شخص جس کو کوئی آفت آ گئی ہو اور اس کا مال اس کا شکار ہو جائے، تو اس کے لئے سوال کرنا جائز ہے؛ تا آں کہ اسے زندگی بچانے کے بقدر بقاء حاصل ہو جائے۔

اس حدیث میں بھی آپ ﷺ نے اجتماعی کفالت کا تصور دیا ہے۔

(۷) یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قرآن مجید نے زکوٰۃ کا ایک مصرف 'غارمین' کو قرار دیا ہے، اور غارمین سے بعض اہل علم کے نزدیک وہ لوگ مراد ہیں، جو آسمانی اور زمینی آفتوں سے دوچار ہوں؛ چنانچہ امام مجاہدؒ سے منقول ہے :

ثلاثة من الغارمين : رجل ذهب السيل بماله ، ورجل أصابه حريق فذهب بماله ، ورجل له عيال وليس له مال فهو يدان وينفق على عياله . (۳)

غارمین میں تین لوگ شامل ہیں : ایک وہ شخص جس کا مال سیلاب میں بہہ گیا ہو،

---

(۱) صحیح البخاری ، باب غزوة سيف البحر ، حدیث نمبر: ۴۱۰۲۔

(۲) مسلم: ۱۷۳/۳، کتاب الزکوٰۃ باب من تحل له المسئلة، حدیث نمبر: ۲۴۵۱، مسند أحمد۔

(۳) مصنف ابن ابی شبیة: ۲۱۷/۳، کتاب الزکوٰۃ ، باب ماقالو فی الغارمین، حدیث نمبر: ۱۰۶۶۰۔

دوسرے: وہ شخص جس کا مال نذر آتش ہوگیا ہو، تیسرے: وہ شخص جس کے زیر پرورش کئی لوگ ہوں اور اس کے پاس مال نہ ہو، تو اسے قرض دیا جائے گا اور اس کے زیر پرورش لوگوں پر خرچ کیا جائے گا۔

یہ مختلف احادیث اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ شریعت اسلامی اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ پریشان حال شخص کو تنہا چھوڑ دیا جائے اور اس کی پریشانی کو دور کرنے کے لئے سماج اپنا کردار ادا نہ کرے؛ بلکہ اسلام انفرادی ملکیت کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ ایسے موقعوں پر اجتماعی کفالت کی بھی دعوت دیتا ہے؛ تاکہ غیر معمولی حالات کا مِل جُل کر مقابلہ کیا جائے، اسلامی حکومت میں چوں کہ بیت المال اجتماعی کفالت کی ضرورت کو پورا کرتا تھا، مقررہ واجبات کے علاوہ وہ خصوصی ٹیکس بھی عائد کرنے کا مجاز تھا؛ اس لئے اس کے لئے کسی الگ ادارے کی ضروت نہیں تھی؛ لیکن ایسا لگتا ہے کہ بعد کو چل کر لوگوں نے اس مقصد کے لئے گروپ اور ادارے قائم کرنے شروع کر دیئے، جس کو علامہ ابن عابدین شامی (متوفی: ۱۲۵۲ھ) کے زمانہ میں ''سوکرہ'' سے تعبیر کیا جاتا تھا، اس کی صورت یہ تھی کہ سمندری تجارت میں کشتی کے ڈوبنے، آگ لگنے، یا سمندری قزاقی کے واقعات پیش آنے کی نوبت آتی رہتی تھی؛ چنانچہ بحری تاجروں نے ایک طریقہ یہ اختیار کیا کہ جب کسی سے کشتی کرائے پر لیتے تو کرایہ کے علاوہ ''سوکرہ'' کے نام سے ایک اور رقم بھی اسے ادا کرتے، اس رقم کے بدلے کشتی کا مالک اس کی ذمہ داری قبول کرتا کہ اگر اس کشتی کا مال ضائع ہوجائے گا تو وہ اس کی تلافی کرے گا؛ چنانچہ کشتی والے کا نمائندہ اس شہر میں موجود ہوتا، جہاں کرایہ پر کشتی حاصل کی گئی تھی، اور وہ اس رقم کو ادا کرتا تھا —— علامہ شامی کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اس صورت ربا پایا جاتا ہے؛ لہٰذا اگر یہ اسلامی ملک میں ہو تو جائز نہیں اور اگر دار الحرب میں اس کا لین دین ہو تو چوں کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دار الحرب میں ربا اور عقود فاسدہ کے ذریعہ حربی کا مال لینا جائز ہے؛ اس لئے وہاں اس کی گنجائش ہوسکتی ہے۔(۱)

مروجہ انشورنس کا حکم

غرض کہ انشورنس اجتماعی کفالت کی ایک منظم صورت ہے، یہ اپنے مقصد کے اعتبار سے شریعت اسلامی کے مزاج کے عین مطابق ہے اور اپنے عہد کی ضرورت کے لحاظ سے عہد اسلامی میں اس کی مثالیں موجود ہیں؛ لیکن چوں کہ اس وقت نظام معیشت بھی مغرب کے ہاتھ میں ہے اور مغربی نظام معیشت کا تصور یہ ہے کہ جب تک انسان میں خودغرضی نہ ہو، اس وقت تک معیشت ترقی نہیں کرسکتی؛ کیوں کہ خودغرضی اور ذاتی مفاد ہی ایسا محرک ہے جو انسان کو جد وجہد اور تگ ودو پر آمادہ کرتا ہے؛ اسی لئے انھوں نے مختلف معاشی اداروں کی اس انداز پر تشکیل کی کہ اس میں

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: ردالمحتار، باب المستأمن۔

سود اور قمار جیسی برائیوں کو داخل کر دیا؛ تاکہ سرمایہ کار کو نفع تو حاصل ہو؛ لیکن اس کو نہ دوسرے کا تعاون کرنا پڑے اور نہ اپنے سرمایہ کے سلسلہ میں کسی قسم کا رسک اور خطرہ پیدا ہو، ایسے ہی اداروں میں ایک 'انشورنس' بھی ہے۔

(الف) مروجہ انشورنس میں شرعی نقطۂ نظر سے ربا النسا بھی ہے اور ربا الفضل بھی؛ کیوں کہ انشورنس کی بعض صورتوں میں جو رقم ادا کی جاتی ہے، وہ ایک مقررہ مدت کے بعد مع اضافہ کے واپس ملتی ہے تو اس میں 'ربا الفضل' ہوگیا؛ کیوں کہ زیادہ رقم واپس کی جاتی ہے اور 'ربا النسا' تو ہے ہی؛ کیوں کہ ایک کی طرف سے نقد اور ایک کی طرف سے اُدھار ادائیگی ہوتی ہے۔

(ب) انشورنس کی موجودہ صورت میں 'غرر فاحش' کی کیفیت بھی پائی جاتی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے ایسی خرید وفروخت کے معاملہ سے منع فرمایا ہے، جس میں غرر ہو:

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر . (۱)

مروجہ انشورنس میں تین پہلوؤں سے غرر موجود ہے، اول یہ کہ جس خطرہ کے تدارک کے لئے انشورنس اسکیم لی گئی ہے، وہ خطرہ پیش بھی آئے گا یا نہیں؟ یہ معلوم نہیں ہے، دوسرے: اسے کتنی قسطیں ادا کرنی پڑیں گی؟ ہوسکتا ہے کہ ایک ہی قسط ادا کرے اور خطرہ پیش آجائے اور ہوسکتا ہے کہ سال بھر کی قسط ادا کرے اور کوئی خطرہ پیش نہ آئے، تیسرے: یہ بات بھی متعین نہیں کہ اسے خطرہ پیش آنے کی صورت میں کتنی رقم ملے گی؛ کیوں کہ نقصان کی مقدار کیا ہوگی؟ اس کا اندازہ نہیں ہے اور نقصان کے لحاظ سے ہی وہ معاوضہ کا حقدار ہوگا۔

(ج) انشورنس کی مروجہ صورت میں قمار بھی ہے؛ کیوں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ تمام قسطیں ادا کردے اور اس کے مقابلہ میں کچھ حاصل نہ ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تھوڑی سی رقم جمع کرے اور بہت ساری رقم حاصل ہوجائے، اسی کو 'قمار' کہتے ہیں۔

(د) غور کیا جائے تو اس میں ایک پہلو دَین کی دَین سے بیع کا بھی ہے، پالیسی لینے والوں کے ذمہ جو قسطیں باقی ہیں، وہ بھی دَین ہے اور کمپنی نے جو ذمہ داری قبول کی ہے، وہ بھی دَین ہے، گویا یہ ایسا معاملہ ہے جس میں دین کا عوض دین کی شکل میں طے پاتا ہے، جس سے رسول اللہ ﷺ نے صراحتاً منع فرمایا ہے۔

(ھ) اس میں بعض اخلاقی مفاسد بھی ہیں، جو صرف وہمی نہیں ہیں؛ بلکہ ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں، جیسے وارث کا مورث کے قتل کرنے کی تدبیر کرنا؛ تاکہ جلد سے جلد انشورنس کی رقم اس کے ہاتھ میں آجائے، خطرات سے مطمئن ہوکر بے احتیاطی سے کام لینا وغیرہ۔

ان اسباب ووجوہ کے تحت جمہور علماء کا نقطۂ نظر یہی ہے کہ انشورنس کی مروجہ شکل حرام ہے، عالم عرب میں

(۱) مسلم، كتاب البيوع، باب بطلان بيع الحصاة والبيع الذى فيه غرر، حدیث نمبر: ۳۸۸۱۔

معروف عالم ومحقق شیخ ابوزہرہ، شیخ محمد بخیت مصری، سابق شیخ الازہر شیخ جاد الحق علی جاد الحق، شیخ محمد غزالی، شیخ عبدالعزیز بن باز، شیخ صالح العثیمین، شیخ یوسف قرضاوی، شیخ احمد شرباصی، ڈاکٹر محمد دسوقی وغیرہ کا نقطۂ نظر یہی ہے، عالم اسلام میں غالباً شیخ مصطفیٰ زرقا، سابق شیخ الازہر شیخ محمد سید طنطاوی، موجودہ مفتی عام مصر ڈاکٹر علی جمعہ کے علاوہ کوئی قابل ذکر شخصیت نہیں، جس نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہو —— اسی طرح علماء برصغیر میں قریب قریب تمام ہی علماء اور اربابِ افتاء انشورنس کی مروجہ صورت کے حرام ہونے پر متفق ہیں، میرے حقیر علم کے مطابق ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کے علاوہ کوئی اور قابل ذکر صاحبِ علم نہیں جو اس کے جواز کا قائل ہو۔

اسلامی انشورنس کمپنیاں —— مرحلہ بہ مرحلہ

ایک طرف انشورنس کی ضرورت اور دوسری طرف مروجہ انشورنس کی شرعی قباحتوں کے پس منظر میں علماء نے ایسے متبادل انشورنس کی طرف توجہ دی ہے، جو انشورنس کے مقصد کو بھی پورا کرے، اور جو مفاسد اس میں شامل ہو گئے ہیں، وہ ان سے خالی بھی ہو؛ چنانچہ اس سلسلہ میں غالباً سب سے پہلے ۱۹۳۴ء میں شیخ محبّ الدین خطیب نے تجویز پیش کی تھی کہ مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے لوگ اپنے اپنے پیشے سے متعلق اس قسم کے ادارہ کی تشکیل کریں، پھر ۱۹۵۴ء میں مصر کی وزارۃ اوقاف نے انشورنس کا ایک خصوصی فنڈ قائم کرنے کا پروجیکٹ تیار کیا، جس کو 'قانونی شخصیت' کا درجہ حاصل ہو، پھر ۱۹۷۹ء میں ''فیصل اسلامی بینک سوڈان'' نے باضابطہ انشورنس کمپنی شروع کی، جو اسلامی انشورنس کی پہلی مثال تھی، پھر خلیجی ریاستوں نے لائف انشورنس کے متبادل کے طور پر اسلامک انشورنس کی کمپنی قائم کی اور شارجہ کو اس کا مرکز بنایا گیا(۱)، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس شعبہ میں مسلسل ترقی ہو رہی ہے اور اس وقت تقریباً بیس اسلامک انشورنس کمپنیاں سوڈان، بحرین، عرب امارات، سعودی عرب، ترکی اور بعض مسلم اقلیتی ممالک جیسے جنوبی افریقہ وغیرہ میں موجود ہیں۔

تکافل کے بنیادی اُصول

اسلامی اُصولوں پر جو انشورنس کمپنی قائم ہوگی، اس کی بنیاد ان اُصولوں پر ہوگی :

(۱) جو لوگ کمپنی کے ممبر بن گئے وہ اپنے اوپر ایک مقررہ مقدار ادا کرنے کو لازم کرلیں گے، مالکیہ کے مسلک کے مطابق انسان اپنے اوپر جس چیز کا التزام کرلے، وہ اس کے ذمہ لازم ہو جاتی ہے، موجودہ عہد کے ان فقہاء نے —— جو اسلامی معاشیات میں بھی مہارت رکھتے ہیں —— اسی رائے پر فتویٰ دیا ہے۔

(۲) اگر انشورنس کمپنی اس اساس پر قائم ہو تو وہ اپنے ممبران کے نقصانات کی تلافی کرنے کے ساتھ ساتھ

---

(۱) بحوث فی فقه المعاملات المالیه المعاصرة، للدکتور قره داغی، ص:۲۹۶۔

ان کو کچھ نفع بھی دیں گی تو کمپنی کے لئے ضروری ہوگا کہ دوالگ اکاؤنٹ رکھیں، ایک اکاؤنٹ تعاون سے متعلق رقوم کا ہواور دوسرا اکاؤنٹ سرمایہ کاری کا ہو، سرمایہ کاری والے اکاؤنٹ میں ممبران کی جو رقم جمع ہو، اس کا نفع اسے دیا جائے اور تبرع والے اکاؤنٹ کی رقم نقصانات کی تلافی میں خرچ کی جائے۔

(۳) جو رقم تبرع کے اکاؤنٹ میں جمع ہو، اگر وہ سال بھر ممبران کے مقررہ نقصانات کو پوری کرنے کے بعد بچ جائے تو وہ یا تو ممبران کو واپس کردی جائے گی یا ان کی اجازت سے آئندہ کی ضروریات کے لئے اسی اکاؤنٹ میں باقی رکھی جائے گی یا سالانہ پریمیم کم کردیا جائے۔

(۴) یہ ادارہ ربا اور قمار نیز ہر طرح کے غیر شرعی اُمور سے خالی رہے گا، اگرچہ ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کو اس کی ادا کی ہوئی تبرع کی رقم سے زیادہ مل جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک شخص اپنے تبرعات تو جمع کرے؛ لیکن اس کو اس کے مقابلے میں کچھ نہ ملے؛ کیوں کہ اس کو وہ حادثہ ہی پیش نہیں آیا، جس کی وجہ سے وہ تعاون کا مستحق ہوتا؛ لیکن یہ ربا اور قمار کے دائرہ میں اس لئے نہیں آئے گا کہ ان دونوں کا تعلق عقد معاوضہ سے ہے نہ کہ تبرعات سے، اور یہ صورت تبرع کے قبیل سے ہے، اس میں ایسا نہیں ہے کہ بچی ہوئی رقم کے مالک وہ لوگ بن جائیں، جنھوں نے کمپنی قائم کی ہے، اسی طرح اس میں جہالت وغرر پایا جاتا ہے، مگر یہ معاوضات میں باعث فساد ہوتا ہے تبرعات میں نہیں؛ چنانچہ علامہ قرافی مالکی فرماتے ہیں :

> **الفرق ...... بين قاعدة ماتؤثر فيه الجهالات والغرر وقاعدة لا يؤثر فيه ذالک من التصرفات ...... : وانقسمت التصرفات عنده ثلا ثه أقسام : طرفان وواسطة ، فالطرفان أحدهما معاوضة صرفة فيجتنب فيها ذلک إلا ما دعت الضرور ة إليه عادة ...... وثانيهما ماهو إحسان صرف لا يقصد به تنمية المال كالصدقة والهبة والإبراء ، فإن هذه التصرفات لا يقصد بها تنمية المال ...... فلا ضرر فيه إلخ . (۱)**

> کن چیزوں میں جہالت مؤثر ہوتی ہے اور کن تصرفات میں جہالت مؤثر نہیں ہوتی ؟ اس کا بیان......تصرفات تین قسم کے ہیں، دو انتہائی حدیں ہیں اور ایک درمیانی ہے، دونوں حدوں میں سے ایک صورت ان معاملات کی ہے، جو خالص عقد معاوضہ ہیں، ان کا جہالت سے محفوظ رہنا ضروری ہے، سوائے اس کے کہ عادت ورواج کی بناء پر ضرورت اس کے جائز ہونے کا تقاضہ کرتی ہو......دوسری صورت یہ ہے کہ وہ خالصتاً

(۱) کتاب الفروق للقرافی:۱/۱۵۱-۱۵۲۔

تبرع واحسان ہو، اس سے مال کی افزائش مقصود نہ ہو، جیسے: صدقہ، ہبہ، ابراء، کہ ان تصرفات سے مال کی افزائش مقصود نہیں ہوتی کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

(۵) ممبران جو رقم سرمایہ کاری کے لئے لگائیں گے، اس میں ان کی شرکت نفع ونقصان کی اساس پر ہوگی؛ کیوں کہ شریعت میں سرمایہ کاری کا بنیادی اُصول یہی ہے کہ سرمایہ کار اور محنت کار دونوں کو نفع ہونے کی صورت میں مقررہ تناسب کے مطابق نفع حاصل ہو اور اگر نقصان ہو تو اس کو سرمایہ کار برداشت کرے، یعنی سرمایہ کار سرمایہ کے نقصان کو گوارہ کرے اور محنت کار اپنی محنت کے نقصان کو گوارہ کرے۔

مروجہ انشورنس اور تکافل کا فرق

اس طرح مروجہ انشورنس اور اسلامی انشورنس کے درمیان بنیادی فرق ہے، جس کو درج ذیل نکات میں بیان کیا جاسکتا ہے:

انشورنس	تکافل
مروجہ انشورنس عقد معاوضہ ہے، جس میں کمپنی کے شیر ہولڈر نفع حاصل کرنے کے لئے اپنی رقم لگاتے ہیں اور کمپنی کے ممبروں کو پیش آنے والے نقصانات کی تلافی کے بعد جو کچھ رقم بچ جاتی ہے، وہ ان کی ملکیت بن جاتی ہے۔	اسلامی انشورنس عقد تبرع ہے، اس میں تعاون کی نیت سے رقم دی جاتی ہے، نہ کہ نفع کی نیت سے۔
مروجہ انشورنس میں کمپنی کے شیر ہولڈرس اور کمپنی کے ممبروں کا الگ الگ اکاؤنٹ نہیں ہوگا؛ بلکہ تمام رقمیں ایک ہی جگہ جمع ہوں گی۔	اسلامی انشورنس کمپنی میں کمپنی کے ممبروں کی اعانتی قسط کا الگ اکاؤنٹ ہوگا، جو نقصانات کی بھرپائی میں استعمال ہوگا، اور سرمایہ کاری کے لئے جمع ہونے والی رقم کا اکاؤنٹ الگ ہوگا، جس کا نفع شرکاء کو حاصل ہوگا۔
مروجہ انشورنس کمپنی میں جمع شدہ رقم میں سے جو بچ جائے گی، اس سے پالیسی حاصل کرنے والے ممبروں کا کوئی تعلق نہیں ہوگا؛ بلکہ شیر ہولڈر یعنی کمپنی کے مالکان اس کے مالک ہوں گے۔	اسلامی انشورنس کمپنی میں تبرع کے طور پر جو رقم دی گئی ہے، اگر اس میں سے بچ جائے تو یا تو ممبروں کو واپس لوٹا دی جائے گی یا تبرع کے فنڈ میں آئندہ کے لئے اسے محفوظ کرلیا جائے گا، یہ بچی ہوئی رقم کمپنی قائم کرنے والوں کی ملکیت نہیں بنے گی۔
مروجہ انشورنس کمپنی کی نگرانی کے لئے نہ کوئی 'شرعیہ بورڈ' ہوتا ہے اور نہ اس میں اسلام کے حلال وحرام سے متعلق احکام پیش نظر رکھے جاتے ہیں؛ چنانچہ اس میں ربا، قمار اور غرر کا پایا جانا بالکل واضح ہے۔	اسلامی انشورنس کمپنی میں اس بات کی رعایت ہوگی کہ تمام کام شریعت کے دائرہ میں ہو اور اس کی نگرانی کے لئے ایک شرعیہ بورڈ بھی ہوگا۔

عملی تطبیق

اسلامی انشورنس کی بنیادی طور پر دوصورتیں ہیں: ایک یہ کہ اس کا مقصد صرف ممکنہ خطرات میں نقصانات کی تلافی کرنا ہو، جولوگ اس میں ممبر بنیں، ان کا مقصد سرمایہ کاری نہ ہو — دوسری صورت یہ ہے کہ نقصانات کی تلافی کے لئے تعاون بھی پیش نظر ہو اور حلال طریقہ پر سرمایہ کاری بھی۔

خالص تبرع کی صورت

پہلی صورت میں انشورنس کی دو شکلیں ہوسکتی ہیں، ایک: ہبہ کی، دوسرے: وقف کی، اور یہ دونوں ہی تبرع کے قبیل سے ہیں، اگر ہبہ کی بنیاد پر تکافل کا نظام قائم ہو تو اس میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک تو یہ ہبہ مشروط ہے کہ اگر اس گروپ میں سے کسی شخص کو فلاں حادثہ پیش آئے تبھی اس کو رقم دی جائے گی تو کیا مشروط ہبہ درست ہوجائے گا؟ — دوسرے: یہ کہ ہبہ کرنے والا کسی حادثے سے دوچار ہو تو وہ خود بھی اس سے فائدہ اُٹھاتا ہے، تو کیا یہ بات درست ہے کہ واہب اپنے ہبہ کے مقابلہ میں عوض کی شرط لگادے اور ایسی صورت میں کیا یہ ہبہ درست ہوگا؟

جہاں تک ہبہ میں شرط لگانے کی بات ہے، تو اول تو فقہاء کے اُصول کے مطابق تبرعات کے منعقد ہونے کے لئے شرط لگانا مانع نہیں ہے، معاوضات میں شرط لگانا نقصاندہ ہے، معاوضات میں شرط لگادی جائے، اس کے باوجود ہبہ نافذ ہوجاتا ہے؛ چنانچہ علامہ بابرتی لکھتے ہیں :

وأما الهبة والصدقة والنكاح والخلع والصلح عن دم العمد ، فإنها لا تبطل بالشروط الفاسدة ، لأن الفساد باعتبار إفضائه إلى الربا ، وذلک لا يتحقق إلا في المعاوضات ، وهذه تبرعات وإسقاط . (۱)

تاہم اگر غور کیا جائے تو یہاں نفس ہبہ میں شرط نہیں لگائی جارہی ہے؛ بلکہ تبرع جمع کرنے والا انشورنس کمپنی کو وکیل بنارہا ہے کہ وہ فلاں فلاں صورت حال سے دوچار لوگوں ہی کو اس میں سے رقم ادا کرے، گویا یہ 'وکالت مقیدہ' ہے؛ لیکن جب وکیل اپنے مؤکل کی طرف سے مستحق شخص کو رقم ادا کرتا ہے تو اس وقت موہوب لہ پر کوئی شرط نہیں لگائی جاتی؛ اس لئے درحقیقت یہ اشتراط فی الہبہ کے دائرہ میں آتا ہی نہیں ہے۔

دوسرا سوال یہ تھا کہ کیا خود ہبہ کرنے والے کے لئے یہ درست ہوگا کہ وہ جن لوگوں کو ہبہ کرچکا ہے، ان سے تعاون وصول کرے؟ — تو اس سلسلہ میں فقہاء احناف اور مالکیہ کا تصور یہ ہے کہ ہبہ بالعوض بھی درست ہے؛ چنانچہ صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی 'رجوع عن الہبہ' کا مسئلہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

(۱) العناية ، كتاب البيوع ، باب بيع الطريق وهبته:۹/۱۷۲، نیز دیکھئے: شرح فتح القدير:۶/۴۴۹۔

...... **لأن المقصود بالعقد هو التعويض للعادة . (۱)**

فقہ مالکی کی معروف کتاب شرح خرشی میں ہے :

وهبة الثواب عطية قصد بها عوض مالي . (۲)

فقہاء شوافع کے یہاں اگر چہ راجح قول یہ ہے کہ ہبہ بالعوض میں اگر عوض معلوم ہو تو اس کا حکم بیع کا ہوگا نہ کہ ہبہ کا؛ لیکن ایک قول یہ بھی ہے کہ اس پر ہبہ کے احکام بھی جاری ہوں گے :

...... **وقيل : هبة ، فتثبت له أحكام الهبة . (۳)**

احادیث سے ہبہ بالعوض کا جائز ہونا معلوم ہوتا ہے ؛ چنانچہ حضرت ابو ہریرۃ ﷺ سے روایت ہے : ''**الرجل أحق بهبته مالم يثب منها** ''(۴) یہ روایت متعدد کتب میں متعدد راویوں سے منقول ہے، غرض کہ ہبہ بالعوض جائز ہے، اگر انشورنس کی بنیاد ہبہ پر ہو، تو اس کو ہبہ بالعوض مانا جاسکتا ہے۔

وقف کی صورت

دوسری صورت یہ ہے کہ انشورنس کی بنیاد 'وقف' پر ہو، وقف کی صورت میں جو رقم تبرعاً جمع ہوگی ، اس کی سرمایہ کاری کی جائے گی اور اصل رقم کو باقی رکھا جائے گا ، اسی طرح کچھ اور لوگ بھی اس وقف کو متاثر لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے تعاون دے سکتے ہیں، پھر سرمایہ کاری سے جو نفع حاصل ہو، نیز وقف میں جو تعاون کی رقم جمع کی جائے، اسے کمپنی کے اُصول کے مطابق ممبروں کے مطالبات کی تکمیل میں خرچ کیا جائے گا۔

اس سلسلہ میں دو باتیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں : ایک یہ کہ وقف اور مملوکاتِ وقف دونوں کے احکام الگ الگ ہیں، اصل وقف کو باقی رکھتے ہوئے اس سے استفادہ کیا جائے گا؛ لیکن جو مملوکات وقف ہیں، ان کو باقی رکھنا ضروری نہیں، جیسے کوئی مکان یا کھیت وقف کیا جائے تو مکان اور کھیت کو باقی رکھنا ضروری ہے؛ لیکن مکان سے جو کرایہ اور کھیت سے جو پیداوار حاصل ہو وہ بعینہٖ وقف نہیں؛ اس لئے ان کو مصارف وقف پر خرچ کیا جاسکتا ہے، دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ 'وقف' ایسا تبرع ہے، جس سے خود متبرع بھی فائدہ اُٹھاسکتا ہے؛ لہٰذا اس صورت میں خود تبرع کرنے والے کے اس سے فائدہ اُٹھانے میں کوئی قباحت نہیں اور نہ اس میں کسی تاویل و توجیہ کی ضرورت پیش آتی ہے؛ اس لئے وقف کو 'تکافل' کی بنیاد بنانا زیادہ بہتر نظر آتا ہے، جس کا تصور غالباً سب سے پہلے

---

(۱) ہدایہ مع العنایہ وفتح القدیر: ۹/۴۰۔ (۲) شرح خرشی: ۷/۱۰۲۔

(۳) دیکھئے: روضۃ الطالبین: ۵/۳۸۴۔ (۴) سنن ابن ماجه ، كتاب الهبات، حدیث نمبر: ۲۳۸۷، وفي الزوائد ، في اسناده ابراهيم بن إسماعيل بن مجمع وهو ضعيف ، مستدرك الحاكم ، كتاب البيوع ، حدیث نمبر: ۲۳۲۳ ''قال الحاكم : هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه''۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے مجلس تحقیقات شرعیہ (ندوۃ العلماء لکھنؤ) کے استفتاء کا جواب دیتے ہوئے ۱۳۸۴ھ میں پیش کیا، اِس وقت پاکستان میں اسی بنیاد پر 'تکافل' کے نظام کا کامیاب تجربہ کیا جارہا ہے۔

سرمایہ کاری کے ساتھ تبرع

تکافل کی دوسری بنیادی صورت یہ ہے کہ تبرع کے ساتھ ساتھ سرمایہ کاری بھی ہو، اب اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ متبرع پوری رقم انشورنس کمپنی کو سرمایہ کاری کے مقصد سے دے اور متعین کردے کہ اس پر حاصل ہونے والے نفع کا کچھ فیصد تبرع ہوگا اور کچھ فیصد اس کو بطور نفع واپس ملے گا، گویا متبرع کی اصل رقم ضرورت مندوں پر صرف نہیں ہوگی؛ بلکہ اس سے حاصل ہونے والا نفع ان پر صرف ہوگا، دوسری صورت یہ ہے کہ اصل رقم میں سے کچھ حصہ تبرع کے لئے کردیا جائے اور کچھ حصہ نفع کے لئے مختص ہو، جو رقم تبرع کے لئے ہے، اگر وہ بطور ہبہ کے ہوتو اصل رقم بھی مستحقین پر خرچ کی جاسکتی ہے اور اگر بطور وقف کے ہوتو اصل رقم کو باقی رکھتے ہوئے اس کا نفع مستحقین پر صرف کیا جائے گا اور جو رقم اس نے نفع حاصل کرنے کے لئے دی ہے، اس کا نفع اس کو واپس ملے گا۔

پھر جو تبرع کرنے والا اپنی رقم کے کچھ حصہ پر نفع حاصل کرنا چاہتا ہے، اس کے لئے دو صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ انشورنس کمپنی کو وہ رقم بطور مضاربت کے دے، اس رقم میں کمپنی کی حیثیت 'مضارب' کی ہے اور ممبران کی حیثیت 'رب المال' کی؛ چنانچہ مضاربت کے اُصول کے مطابق رب المال اپنے حصہ کا نفع لے لے اور کمپنی اپنے حصہ کا نفع، جس کو وہ مستحقین میں خرچ کرے، دوسری صورت یہ ہے کہ ممبران کمپنی کو 'وکیل بالاستثمار' بنادیں، کمپنی اپنی صواب دید سے اس سرمایہ کو لگائے اور بحیثیت وکیل ممبران سے اُجرت وکالت حاصل کرے، ایسی صورت میں کمپنی کو نفع ونقصان سے تعلق نہیں ہوگا؛ بلکہ وہ بہرصورت اُجرت کی مستحق ہوگی، غرض کہ یہ ایسی صورت ہے، جس میں ممبروں کو بصورت استحقاق تعاون بھی حاصل ہوگا اور ان کو نفع بھی ملے گا۔

تکافل کی یہ ایسی صورتیں ہیں، جو انشورنس کی تمام ہی صورتوں میں قابل عمل ہیں —— لائف انشورنس کی صورت میں ممبروں کی رقم کا ایک حصہ مضاربت پر لگایا جائے گا اور جب رقم ادا کرنے کی نوبت آئے تو اس کا اصل سرمایہ اور مضاربت کے ذریعہ حاصل ہونے والا نفع ادا کرنے کے بعد بقیہ رقم تبرع کی مد سے پوری کی جائے گی؛ البتہ بنیادی اُصول یہ ہے کہ انشورنس ان ہی چیزوں میں قبول کیا جائے گا، جن کی خرید وفروخت یا جن کو کرایہ پر لگانا جائز ہو، جو بات خود ناجائز ہو، یا جس پالیسی کے پیچھے انشورنس لینے کی غرض سے ظاہر ہو کہ وہ ایک حرام مقصد کے لئے انشورنس حاصل کررہا ہے، تو ایسی چیز کا انشورنس جائز نہیں۔

انشورنس کی رقم، مالک کی وفات کے بعد

انشورنس سے متعلق ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی کی حیثیت کیا ہوگی؟ — تو اگر اس نے انشورنس کے لئے کسی کو نامزد نہ کیا ہو تو اس کی حیثیت اس کی موت کے بعد ترکہ کی ہوگی اور تمام ورثہ کا حق اس سے متعلق ہوگا، اور اگر اس نے کسی شخص کو نامزد کیا ہو تو اس کی حیثیت وصیت کی ہوگی اور اس پر وصیت کے احکام جاری ہوں گے؛ چنانچہ 'معاییر شرعیہ' میں ہے :

في حالة التأمين التعاوني لحالة الموت (التكافل) توزع المستحقات طبقا لأحكام الميراث على اعتبار أنها من تركة المشترك المتوفى ، إلا إذا حددها لأشخاص أو أغراض بعد موته ، وحينئذ تطبق عليها أحكام الوصية . (۱)

تاہم اس حقیر کا خیال ہے کہ اسلامی انشورنس کمپنیوں کو ایسا فارم بنانا چاہئے، جس میں اس بات کی صراحت ہو کہ وہ جس کو نامزد کر رہا ہے، اس کو اپنی زندگی میں وہ رقم ہبہ کر رہا ہے، یا وہ اس کے لئے وصیت کر رہا ہے؛ بشرطیکہ اس کے حق میں وصیت جائز ہو، یا وہ اس کی موت کے بعد اس کا ترکہ ہوگا اور کمپنی تمام ورثہ کو ان کے حق کے مطابق ادا کرے گی، یا وہ اپنے ورثہ میں سے کسی کو اپنا وکیل بنائے گا، جو کمپنی سے رقم وصول کرے اور تمام ورثہ کو ان کے حقوق کے مطابق ادا کرے، فارم میں اس بات کی اچھی طرح وضاحت ہونی چاہئے۔

ری انشورنس (إعادة التأمين)

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مطالبات بڑھ جاتے ہیں اور کمپنی کے پاس موجود رقم کم پڑ جاتی ہے، ایسے مواقع کے لئے ری انشورنس کمپنیاں موجود ہیں، انشورنس کمپنیاں ری انشورنس کمپنیوں کی ممبر بنتی ہیں، جو ان حالات میں ان کو قرض فراہم کرتی ہیں، جو قرض دیتی ہیں، اس پر انٹرسٹ حاصل کرتی ہیں اور ری انشورنس کی ممبر بننے والی کمپنیاں جو رقم بطور فیس کے جمع کرتی ہیں، ان پر انٹرسٹ دیتی ہیں، ظاہر ہے کہ یہ صورت جائز نہیں؛ لیکن اگر اسلامی ری انشورنس کمپنیاں موجود نہ ہوں تو مجبوری کے درجہ میں ری انشورنس کمپنیوں سے استفادہ کرنے کی گنجائش ہے؛ لیکن یہ قدر ضرورت سے زیادہ نہ ہو، نیز تکافل کمپنی کو ری انشورنس کمپنی جو زائد رقم ادا کرے، اسے غرباء پر خرچ کر دینا ضروری ہے۔

---

(۱) معايير شرعيه ، دفعه: ۴/۱۰۔

نیز یہ بات بھی ضروری ہے کہ مسلم مما لک اور مسلمان تجار خود اسلامی ری انشورنس کمپنی قائم کریں ؛ تا کہ اسلامی انشورنس کمپنیاں سود اور قمار پر مبنی ری انشورنس کمپنیوں کی بجائے تبرع پر مبنی ری انشورنس کمپنیوں کی ممبر بنیں، ری انشورنس کمپنیوں کا طریقۂ کار بھی وہی ہوگا، جو انشورنس کمپنیوں کا ہے، یعنی یہ ری انشورنس کمپنیوں کو اپنے جمع شدہ تبرعات کا کچھ حصہ بطور ممبری فیس کے دیں گی، ری انشورنس کمپنی جمع شدہ رقم کو نفع آور بنائے گی اور اپنی ممبر انشورنس کمپنیوں کے مطالبات ادارہ کے مقررہ قاعدہ کے مطابق بطور تعاون یا بطور قرضِ حسنہ پورا کریں گی، نیز اس کے بھی وہی قواعد ہوں گے، جو عام اسلامی انشورنس کمپنیوں کے ہیں۔

○ ○ ○

غیر منقولہ خرید کی ہوئی اشیاء پر قبضہ سے پہلے زکوٰۃ کا مسئلہ

مولانا جنید فلاحی ●

آج کل مکانات اور زمینوں کی تجارت بڑے پیمانہ پر ہورہی ہے اور منافع بخش ثابت ہورہی ہے، بہت سے لوگوں نے کلی طور پر اس کو اپنالیا ہے اور بہت سے لوگ جزوی طور پر اس کاروبار سے جڑے ہوئے ہیں۔

بہرحال مکانات اور زمینوں (اشیاء غیر منقولہ) کی تجارت میں ایک صورت بہت عام ہے کہ زمین وغیرہ کی خرید وفروخت میں قیمت کی ادائیگی کا وقت کافی لمبا ہوتا ہے؛ کیوں کہ قیمت بھی اچھی خاصی ہوتی ہے، اب اس طرح کے معاملات میں ابتداءً بیعانہ دے کر مکمل قیمت کی ادائیگی کے لئے مناسب وقفہ لیا جاتا ہے اور اسی عرصہ میں وہ زمین فروخت کردی جاتی ہے، اب یہ مشتری ثانی بھی قیمت کی ادائیگی کے لئے مہلت لے کر یہ زمین کسی اور کو بیچ دیتا ہے، اس طرح یہ زمین مشتری اول کے قبضہ سے قبل کئی ہاتھوں فروخت ہوچکی ہوتی ہے، شرعی نقطۂ نظر سے اس کی گنجائش ہے :

> **ومن اشترىٰ شيئاً مما ينقل ويحول لم يجز له بيعه حتى يقبضه ؛ لأنه عليه الصلوٰة والسلام نهى عن بيع مالم يقبض ؛ ولأن فيه غررا نفساخ العقد على اعتبار الهلاک . (۱)**

اسی طرح عرفاً بھی اس کی اجازت ہوتی ہے کہ بائع کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ مشتری بیعانہ دینے کے بعد اور قبضہ سے قبل کسی اور کو بیچ دے گا؛ بلکہ کئی ہاتھوں یہ زمین فروخت ہوگی، اس کے باوجود اعتراض نہیں کرتا، اب زیر بحث مسئلہ زکوٰۃ کا ہے کہ اس زمین پر قبضہ کے بعد اس میں گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ آئے گی یا نہیں؟

اب اگر دیکھا جائے تو شرائط وجوبِ زکوٰۃ میں پہلی شرط مال پر ملکیت تامہ ہونا ہے، اور ملکیت تامہ کا مطلب ہے کہ مال مملوک بھی ہو اور قبضہ میں بھی ہو :

> **لأن المراد بالتام : المملوک رقبة ويداً ، (۲) وأطلق الملک فانصرف**

● خادم: مدرسہ انوار محمدی، ممبئی۔

(۱) ہدایۃ: ۷۸/۳۔ (۲) شامی: ۱۷۵/۳، مکتبہ زکریا، دیوبند۔

إلى الكامل وهو المملوک رقبة ويداً فلا يجب على المشترى فيما اشتراه للتجارة قبل القبض الخ . (۱)

ان تصریحات سے واضح ہوا کہ ملک تام سے مراد مال کا رقبۃً ویداً دونوں طرح مملوک ہونا ہے اور وجوب زکوٰۃ کی اس شرط کے پیش نظر فقہاء نے مالِ مکاتب پر زکوٰۃ نہ ہونے کی تصریح کی ہے، اسی طرح گم شدہ مال کی اور مالِ مغصوب جس پر کوئی بینہ نہ ہو اور وہ مال جو کسی جنگل میں مدفون ہو اور جگہ کا علم نہ ہو، ان سب پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ سب اگر چہ مملوک ہیں، مگر قبضہ میں نہیں ہیں :

(خرج مال المكاتب) أى خرج بالتقييد به ، لأن المراد بالتام : المملوک رقبة ويداً ، وملک المكاتب ليس بتام لوجود المنافى — إلى ان قال — وخرج أيضاً نحو المال المفقود والساقط في البحر ومغصوب لا بينة عليه . (۲)

علامہ شامی چند صفحات کے بعد درمختار کی عبارت ''ولا فيما اشتراه للتجارة قبل قبضه '' کے ذیل میں فرماتے ہیں :

قوله : (قبل قبضه) أما بعده فيزكيه عما مضى كما فهمه في البحر من عبارة المحيط فراجعه ؛ لكن في الخانية : رجل له سائمة اشتراها للسيامة ولم يقبضها حتى حال الحول ثم قبضها لا زكٰوة على المشترى فيما مضى ؛ لأنها كانت مضمونة على البائع بالثمن اھ ، ومقتضى التعليل عدم الفرق بين ما اشتراها للسيامة أو للتجارة فتأمل . (۳)

اس عبارت میں علامہ شامیؒ نے دو باتیں بیان کی ہیں، پہلی بات ''امابعدہ'' سے بیان کرتے ہیں کہ محیط کے حوالہ سے حرعلامہ ابن نجیمؒ نے البحر الرائق میں جو بات بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ قبل القبض تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی ؛البتہ بعد القبض گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی ؛ چنانچہ بحر کی مکمل عبارت اس طرح ہے :

وذكر في المحيط فى بيان أقسام الدين أن المبيع قبل القبض قيل لا يكون نصاباً ؛ لأن الملک فيه ناقص بافتقاد اليد ، والصحيح أنه يكون نصاباً ؛ لأنه عوض عن مال كانت يده ثابتة عليه وقد أمكنه احتواء اليد على العوض فتعتبر يده باقية على النصاب باعتبار

---

(۱) البحر الرائق:۲/۲۵۵،مکتبہ زکریا، دیوبند۔ (۲) شامی:۳/۱۷۵۔ (۳) ردالمحتار:۳/۱۸۰۔

التمکن شرعاً اھ ، فعلی ھذا قولھم لا تجب الزکوٰۃ معناہ قبل قبضہ ، وأما بعد قبضہ فتجب زکٰوتہ فیما مضی کالدین القوی . (۱)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے المحیط البرہانی میں جہاں دَین کی قسمیں بیان کی گئی ہیں وہاں مبیع قبل القبض پر زکوٰۃ کا مسئلہ بھی اُٹھایا ہے، اس پر زکوٰۃ سے متعلق ایک قول لفظ ''قیل'' سے بیان کیا ہے (جو فقہاء کی اصطلاح میں کمزور قول کی طرف اشارہ ہوتا ہے) کہ قبل القبض مبیع کو نصاب شمار نہیں کریں گے اور اس پر زکوٰۃ نہیں آئے گی؛ کیوں کہ قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے ملک تام نہیں ہے۔

دوسرا قول ''**والصحیح**'' سے بیان کر رہے ہیں کہ قبل القبض مبیع کو نصاب شمار کریں گے؛ کیوں کہ وہ ایسے مال (ثمن) کا عوض ہے کہ جس پر مشتری کا قبضہ ثابت ہے اور مشتری کے لئے ثمن پر قبضہ ہونے کی وجہ سے عوض پر قبضہ حاصل کرنا ممکن ہے کہ جب چاہے ثمن دے کر عوض پر قبضہ حاصل کر لے؛ لہٰذا شرعاً امکانی طور پر عوض پر مشتری کا قبضہ ہی مانا جائے گا، ابن نجیمؒ فرماتے ہیں کہ اس قول کی بنیاد پر جہاں کہیں بھی مبیع قبل القبض میں ''**لا تجب الزکوٰۃ**'' استعمال ہوا ہے اس کا مطلب قبل القبض ہے؛ البتہ بعد القبض گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی؛ جیسا کہ دین قوی میں واجب ہوتی ہے۔

البحر الرائق کی اسی عبارت کی طرف صاحب منحۃ الخالق علامہ ابن عابدین شامیؒ صاحب بحر کے قول: ''**فلا یجب علی المشتری فیما اشتراہ للتجارۃ قبل القبض**'' کے ذیل میں اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''**قولہ : (فلا یجب علی المشتری) أی قبل قبضہ أما بعدہ فیجب لما مضی کما سنبینہٗ علیہ**'' (۲) کہ قبضہ سے پہلے زکوٰۃ نہیں آئے گی؛ البتہ قبضہ کے بعد گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ آئے گی، گویا علامہ شامیؒ اسی قول کو ترجیح دے رہے ہیں، اسی طرح درمختار میں بھی محیط کے قول کو بیان کیا ہے۔ (۳)

مذکورہ بالا عبارات سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ مبیع چاہے اشیاء منقولہ میں سے ہو یا اشیاء غیر منقولہ میں سے، دونوں کا حکم یکساں ہے کہ بعد القبض گذشتہ ایام کی زکوٰۃ آئے گی۔

غالباً اسی قول کی بنیاد پر شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے کسی کی طرف سے ''امپورٹ کئے ہوئے مال پر زکوٰۃ سے متعلق'' سوال کرنے پر سودا مکمل ہونے کے بعد قبل القبض مبیع پر وجوب زکوٰۃ کا جواب زبانی طور پر دیا ہے سوال وجواب ذیل میں مذکور ہے :

سوال:- ہم نے ایک مالِ تجارت باہر کے ملک سے خریدا ہے، اور ابھی ہمارے قبضہ میں نہیں آیا؛ اس مال کی قیمت کس حساب سے لگائی جائے؟

---

(۱) البحر الرائق: ۳۶۵/۲۔ (۲) منحۃ الخالق علی البحر الرائق: ۳۵۵/۲۔ (۳) ردالمحتار: ۱۸۰/۳۔

جواب:- اس میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر وہ سامان آپ کی ملکیت میں آ چکا ہے چاہے وہ ابھی تک آپ کے قبضہ میں نہیں آیا، تب تو اس سامان کی قیمت لگائی جائے گی؛ لیکن اگر وہ سامان آپ کی ملکیت میں نہیں آیا تو اس صورت میں جتنے پیسے آپ نے اس کی خریداری میں لگائے ہیں، صرف ان پیسوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی، مثلاً فرض کریں کہ آپ نے ایک سامان امپورٹ کیا اور وہ سامان آپ کی ملکیت میں آ گیا ہے، اگرچہ وہ سامان ابھی راستہ میں ہے آپ کے قبضہ میں نہیں آیا تب تو اس سامان کی قیمت لگا کر زکوٰۃ ادا کی جائے گی؛ لیکن اگر وہ سامان ابھی آپ کی ملکیت ہی میں نہیں آیا، اس لئے کہ سودا ہی مکمل نہیں ہوا تو اس صورت میں اس مال کی خریداری میں جتنی رقم لگائی ہے اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اس مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ (فقہی مقالات: ۱۶۹/۳-۱۷۰)

علامہ شامیؒ دوسری بات ''لکن فی الخانية'' سے فرماتے ہیں کہ خانیہ میں ہے کہ کسی نے سائمہ جانوروں کو خریدا اور ایک سال تک ان جانوروں پر مشتری نے قبضہ نہیں کیا اور پھر بعد میں قبضہ کیا تو مشتری پر گذشتہ سال کی زکوٰۃ نہیں آئے گی؛ کیوں کہ ان جانوروں کا ضمان اور رِسک بائع کا قبضہ ہونے کی وجہ سے بائع پر ہی تھا کہ اگر جانور چوری ہو جائے تو یہ بائع کے ذمہ ہوتا؛ لہٰذا ان جانوروں کا ضمان اور رِسک مشتری پر نہ آنے کی وجہ سے اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

علامہ شامیؒ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا :

ومقتضى التعليل عدم الفرق بين ما اشتراها للسيامة أو للتجارة فتأمل .

اس عبارت کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ علامہ شامیؒ خانیہ کی اس عبارت کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں، جس میں صاحب خانیہ نے مالِ تجارت میں بعد القبض گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ مشتری پر واجب قرار دی ہے :

رجل اشترىٰ عبداً للتجارة يساوى مائتى درهم بمائتى درهم ونقد الثمن ولم يقبض العبد حتى حال الحول فمات العبد عند البائع كان على البائع زكاة المأتين وكذلك على المشترى أما على البائع فلأنه يملك الثمن وحال الحول عليه عنده وأما على المشترى لأن العبد كان للتجارة . (۱)

جب کہ یہاں بھی وہی علت عدمِ وجوب زکوٰۃ کی پائی جارہی ہے جو سائمہ جانوروں میں بیان کی ہیں، یعنی ضمان اور رِسک کا مشتری پر نہ آنا :

(۱) فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیہ: ۲۵۹/۱۔

رجل لـه غـنـم سائمة اشتراها رجل ولم يقبضها حتى حال الحول ثم قبـضهـا لا زكاة على المشترى فيما مضى ويستقبل حولاً بعد القبض لأنها كانت مضمونة على بائعه بالثمن . (۱)

جب دونوں جگہ یعنی اموالِ تجارت اور سائمہ جانوروں میں علت ایک ہی ہے کہ ضمان اور رِسک دونوں میں قبل القبض بائع پر ہی رہتا ہے تو صاحب خانیہ کی طرف سے دونوں مسئلوں میں فرق کی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی ہے ''فتأمل'' سے اسی طرف دعوتِ فکر دے رہے ہیں۔

علامہ شامیؒ کی عبارت ''لـكن فى الخانية'' کا دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ واقعی علامہ شامیؒ صاحب خانیہ کی بیان کردہ علت کی طرف دعوتِ غور وفکر دے رہے ہوں کہ جس طرح سائمہ جانوروں میں ضمان اور رِسک بائع کے ذمہ ہونے کی وجہ سے مشتری پر زکوٰۃ نہیں آئے گی، اسی طرح خرید وفروخت میں بھی قبل القبض ضمان بائع پر ہوتا ہے؛ لہٰذا اس علت کی بنیاد پر مشتری پر زکوٰۃ نہیں آنی چاہئے۔

اب اگر صاحب خانیہ کی بیان کردہ مشتری پر عدم وجوب زکوٰۃ کی علت کو بہ نظر غائر دیکھا جائے تو اشیاء منقولہ وغیر منقولہ میں فرق ہوجائے گا؛ جیسا کہ بیع قبل القبض میں فقہاء احناف نے فرق کیا ہے :

حـدثـنـا عـلـى بـن عبـد الله : حـدثنا سفيان قال : الذي حـفـظناه من عـمـرو بن دينار سمع طاؤسا يقول سمعت ابن عباس رضى الله عنهما يقول : أمـا الـذى نهـى عـنه النبي صلى الله عليه وسلم فهو الطعام أن يبـا ع حتـى يقبض ، قال ابن عباس رضى الله عنهما : ولا أحسب كل شيئ إلا مثله . (۲)

حـدثـنـا عبـد الله بن مسلمة حدثنا مالک عن نافع عن عمر رضى الله عنه أن الـنبـى صلى الله عليه وسلم قال : من ابتا ع طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه ، زاد اسماعيل : فلا يبعه حتى يقبضه . (۳)

بیع قبل القبض کے جواز وعدم جواز کے سلسلے میں فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے، امام شافعیؒ اور حنفیہ میں سے امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ بیع قبل القبض ہر چیز میں ناجائز ہے خواہ وہ طعام ہو یا غیر طعام، منقولات میں سے ہو

---

(۱) فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندیه: ۲۸۰/۱۔

(۲) صحیح بخاری ، کتاب البیوع ، باب بیع الطعام قبل أن یقبض ، حدیث نمبر: ۲۱۳۵، وفی صحیح مسلم ، کتاب البیوع باب بطلان بیع المبیع قبل القبض، حدیث نمبر: ۳۸۱۰۔

(۳) صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۲۱۳۸۔

یا غیر منقولات میں سے کسی بھی شئے کی بیع اس پر قبضہ کرنے سے پہلے ناجائز ہے اور حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کا ظاہری قول بھی یہی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا مسلک یہ ہے کہ منقولات میں بیع مطلقاً ناجائز ہے خواہ طعام ہو یا غیر طعام؛ البتہ زمین یا مکان کی بیع قبل القبض جائز ہے، یعنی اشیاء غیر منقولہ میں درست ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب یہ ہے کہ بیع قبل القبض کی ممانعت مطعومات کے ساتھ مخصوص ہے، غیر مطعومات میں بیع قبل القبض جائز ہے؛ لہٰذا گندم، جو، کھجور، چاول کی فروخت ہو تو قبل القبض جائز نہیں۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مطعومات میں جو مکیلی اور موزونی اشیاء ہیں، ان کی بیع قبل القبض ناجائز ہے اور جو مکیلی اور موزونی نہیں ہیں ان میں بیع قبل القبض جائز ہے۔

یہاں مقصود امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے مسلک کو واضح کرنا ہے؛ لہٰذا دیگر ائمہ کرام کے دلائل بیان نہ کرتے ہوئے صرف شیخینؒ کے مسلک کے دلائل پر گفتگو کرتے ہیں۔

شیخینؒ فرماتے ہیں کہ بیع قبل القبض کے ناجائز ہونے کی اصل وجہ اور علت ضمان ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے نہ صرف یہ کہ بیع قبل القبض سے منع فرمایا؛ بلکہ اس کی اصل علت بھی بتلا دی کہ بیع قبل القبض کے ناجائز ہونے کی علت کیا ہے، وہ حدیث ترمذی میں ہے :

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع و شرط وعن بيع ماليس عندک وعن ربح ما لم يضمن أو كما قال .

تو آپ ﷺ نے اس چیز کی بیع کرنے سے منع فرمایا جو کہ انسان کے پاس نہیں ہے اور آگے اس کی علت اور اُصول بھی بیان فرما دیا کہ منع فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ جو چیز انسان کے اپنے ضمان میں نہ آئی ہو اس پر اس کو نفع لینا جائز نہیں، ضمان میں نہ آنے کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ ہلاک ہو جائے تو نقصان مشتری کا ہوگا، نہ کہ بائع کا۔

یہ شریعت کا ایک بہت بڑا اُصول ہے کہ ربح ہمیشہ ضمان کا معاوضہ ہوتا ہے، اگر چیز ضمان میں نہیں آئی ہے تو نفع لینا درست نہ ہوگا: ''**ربح مالم يضمن**'' اس پر شریعت کے بے شمار احکام متفرع ہوتے ہیں۔

اب امام ابوحنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ضمان کا سوال اس جگہ پیدا ہوتا ہے جہاں کہیں ہلاکت کا اندیشہ ہو، جو اشیاء قابل ہلاکت ہوں ان ہی میں ضمان ہوتا ہے اور جو اشیاء قابل ضمانت نہیں تو ان میں ضمان کا بھی سوال نہیں؛ لہٰذا زمین اور مکان ایسی چیزیں ہیں جو قابل ہلاکت نہیں، جب قابل ہلاکت نہیں تو اس میں ضمان کا بھی سوال نہیں کہ کس کے ضمان میں آئیں اور کس کے ضمان میں نہیں آئیں؛ لہٰذا وہاں بیع القبض کی شرط لگانے کی ضرورت نہیں۔

البتہ علامہ ابن ہمامؒ نے ''فتح القدیر'' میں فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی اس دلیل کا تقاضہ ہے کہ اگر کسی جگہ زمین ہو جو ہلاکت کے لائق ہو تو وہاں بھی بیع قبل القبض ناجائز ہوگی، مثلاً سمندر یا دریا کے قریب زمین ہے، اس میں اندیشہ ہے کہ سمندر اس کے اوپر آجائے اور زمین ختم ہوجائے، اسی طرح اگر مکان انتہائی خستہ حالت میں ہو کہ گرنے کا اندیشہ ہو تو وہاں پھر اصل اُصول لوٹ آئے گا اور اس کی بیع بھی قبل القبض ناجائز ہوگی اور یہی بات دلیل کے لحاظ سے زیادہ قوی ہے جو امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ ''ربح مالم یضمن'' کی علت ہے، وہ علت جہاں پائی جائے گی وہ عقد ناجائز ہوگا (بیع قبل القبض کے جواز وعدم جواز کی تفصیل شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہ کی کتاب اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۹۳/۲ تا ۹۷ سے ملخصاً لی گئی ہے)۔

فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم رقم طراز ہیں :

> احناف کے پیش نظر یہ ہے کہ مقصود ''غرر'' یعنی امکانی دھوکہ کا سد باب ہے جب تک کوئی چیز قبضہ میں نہ آجائے احتمال موجود ہے کہ شاید قبضہ ہی میں نہ آپائے، ایسی شکل میں وہ اپنے عہد کو پورا نہیں کر پائے گا، اشیاء منقولہ میں تو اس طرح کا احتمال موجود ہے؛ لیکن غیر منقولہ اشیاء میں اس کا کوئی احتمال نہیں کہ وہ چیز ضائع ہوجائے یا گم ہوجائے یا چرالی جائے، اس لئے صرف منقولہ اشیاء ہی میں فروخت کرنے کے لئے اولاً قبضہ ضروری ہوگا۔ (حلال وحرام: ۲۵۷-۲۵۸)
>
> **قوله : (ويجوز بيع العقار قبل القبض عند أبي حنيفة و أبي يوسف) إلى أن قال (ولهما) أى لأبي حنيفة و أبي يوسف (أن ركن البيع صدر من أهله في محله) والمانع المعتبر للنهي وهو غرر الانفساخ بالهلاک منتف (فإن هلاک العقار نادر) والنادر لا عبرة به ...... وفي الاختيار حتى لو كان على شط البحر أو كان المبيع علواً لا يجوز بيعه قبل القبض والحديث الذى استدل به ، الخ .** (۱)

مذکورہ بالا عبارات اور بحث سے معلوم ہوا کہ ائمہ احناف کے یہاں چوں کہ زمین اور مکان کے ہلاک ہونے کا اندیشہ نہ ہونے کی وجہ سے بائع اور مشتری دونوں میں سے کسی کے بھی ضمان میں نہیں آئی؛ لہٰذا قبل القبض اس کو فروخت کرنا مشتری کے لئے درست ہوگا۔

اب یہاں زیر بحث مسئلہ میں بھی صاحب خانیہ نے قبل القبض مشتری پر زکوٰۃ نہ آنے کی وجہ بائع کے ذمہ

---

(۱) فتح القدیر: ۴۷۴/۱۔

ضمان کو بتلایا ہے، مگر چوں کہ اشیاء غیر منقولہ (زمین، مکان) میں ہلاکت کا اندیشہ نہیں ہے تو جس طرح کسی کے بھی ضمان میں نہ آنے کی وجہ سے مشتری کے لئے اس کو فروخت کرنا درست ہوگا اسی طرح اس پر زکوٰۃ بھی آئے گی اور جب کہ مشتری ہی اس سے حقیقی فائدہ اُٹھارہا ہے اور بائع پر ثمن میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

جس طرح اشیاء غیر منقولہ میں قب القبض فروخت کی شرعاً اجازت ہے اسی طرح عرفاً بھی تصرف کی اجازت ہوتی ہے کہ بعض مرتبہ زمین اور مکان قبل القبض کئی ہاتھوں فروخت ہو چکا ہوتا ہے اور بائع اول کسی بھی طرح کا کوئی اعتراض نہیں جتلاتا؛ بلکہ بعض مرتبہ معاہدے کے کاغذات اور بیع نامہ میں بائع اول یعنی مالک زمین ومکان کا معاملہ براہ راست آخری خریدار سے بتلایا جاتا ہے۔

اور اگر معاملہ ایسی زمین کا ہو کہ جس پر پگڑی کے مکانات بنے ہوئے ہوں تو خریدار جو بلڈر ہوتا ہے وہ مالک زمین (Lend Lord) کو بیعانہ کی رقم دے کر ایف، ایس، آئی اور ٹی، ڈی، آر کی حصول کی کوشش شروع کر دیتا ہے اور کرائے داروں سے بھی نئے تعمیری کام (Building Project) پر معاہدے کا کام شروع کر دیتا ہے اور اگر زمین خالی پڑی ہے جہاں دیواری (باؤنڈری) لگادیتا ہے اور بائع کسی طرح کا کوئی اعتراض نہیں کرتا۔

صاحبِ خانیہ کی بیان کردہ علت کے مطابق اشیاء منقولہ میں قبل القبض چوں کہ بائع ضامن ہوتا ہے، اس لئے مشتری پر ضمان نہیں آئے گا؛ البتہ محیط کی عبارت اور دلیل کی بنیاد پر اشیاء منقولہ وغیرہ منقولہ دونوں میں مشتری پر بعد القبض گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ آئے گی۔

نیز انفع للفقراء کا تقاضا بھی یہ ہے کہ احتیاطاً مشتری پر زکوٰۃ واجب ہو، جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ نے اموالِ تجارت کی قیمت سونے یا چاندی میں سے جس نصاب کی قیمت کو پہنچ جائے احتیاطاً انفع للفقراء کو مدنظر رکھتے ہوئے وجوبِ زکوٰۃ کا حکم لگایا ہے:

> **أی الذهب والفضة (تقوم) أی عروض التجارة (بما هو انفع للفقراء) أيهما كان لعقله عليه الصلوٰة والسلام " يقومها فيؤدى من كل مائتى درهم خمسة دراهم" وهذا عند الامام يعنى نقوم بما يبلغ نصاباً إن كان يبلغ أحدهما دون الأخر احتياطاً فى حق الفقراء كما في التبيين . (١)**
>
> **وفي البدائع : وإذا كان تقدير النصاب من أموال التجارة بقيمتها من**

(١) مجمع الأنهر فی شرح ملتقى الأبحر:١/٣٠١۔

الـذهب والفضة ، إلى أن قال ، وكذا روي عن أبي حنيفة فى الأموال أنه يقومها بأنفع النقدين للفقراء . (۱)

لہٰذا زیر بحث مسئلہ میں یعنی اشیاء غیر منقولہ میں بعد القبض گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ مذکورہ بالا دلائل کی بنیاد پر مشتری کے ذمہ واجب ہونی چاہئے۔

اب تو تجربات اور واقعات سے یہ بات سامنے آرہی ہے کہ تاجر حضرات اشیاء منقولہ میں زکوٰۃ سے بچنے کے لئے زکوٰۃ کے حساب کی تاریخ سے پہلے کثیر مقدار میں اموالِ تجارت کا سودا کر لیتے ہیں اور سودا مکمل ہونے کے بعد کسی بھی طرح کا قبضہ (حقیقتاً وحکماً) نہیں لیتے اور یکمشت رقم بھی ادا نہیں کرتے؛ بلکہ پھر ہر ماہ ضرورت کے بقدر مال منگواتے ہیں اور اسی کے تناسب سے رقم ادا کرتے ہیں کہ سودا مکمل ہوگیا ہے، اب اس کا ثمن تو قرض ہوگیا؛ لہٰذا نہ اس پر زکوٰۃ اور اموالِ تجارت تو قبضہ میں آیا ہی نہیں؛ لہٰذا نہ اس پر زکوٰۃ، کیا اس طرح کے حیلہ سے مقصد شریعت فوت نہیں ہو رہا ہے اور کیا انفع للفقراء کے بھی خلاف نہیں، بہرحال اس مسئلہ پر غور وخوض کرنے کی ضرورت ہے۔

○ ○ ○

(۱) مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر:۲/۱۱۰،مکتبہ زکریا۔

تجاویز

بائیسواں فقہی سیمینار اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

منعقدہ:۹-۱۱/مارچ ۲۰۱۳ء، امروہہ

اسلامک فقہ اکیڈمی کا بائیسواں فقہی سیمینار معروف شہر امروہہ کی مشہور تاریخی درسگاہ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں ۹-۱۱/مارچ ۲۰۱۳ء کو منعقد ہوا، اجلاس میں ہندوستان کے طول وعرض سے علماء وارباب افتاء کی بڑی تعداد کے علاوہ، الجزائر، جنوبی افریقہ اور ترکی کے مندوبین نے بھی شرکت کی، مولانا سید نظام الدین صاحب (جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)، مولانا برہان الدین سنبھلی (استاذ حدیث وتفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)، مفتی اشرف علی باقوی (امیر شریعت کرناٹک)، مولانا عبداللہ مغیثی (صدر آل انڈیا ملی کونسل)، مفتی شبیر احمد قاسمی (مفتی جامعہ اسلامیہ شاہی مرادآباد)، مولانا محمد سلمان منصور پوری (مرادآباد)، مفتی محبوب علی وجیہی (رامپور)، مفتی صادق محی الدین فہیم (جامعہ نظامیہ حیدرآباد)، مولانا عبداللہ معروفی (استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند)، مولانا شوکت قاسمی (ناظم رابطہ مدارس اسلامیہ دارالعلوم دیوبند) اور ملک کے مختلف علاقوں سے ممتاز اہل علم اور ارباب افتاء نے شرکت کی۔

افتتاحی اجلاس کی صدارت اکیڈمی کے صدر اور دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ حدیث کے صدر نے کیا، مولانا عبدالخالق سنبھلی (نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند) نے افتتاح فرمایا، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا) نے اکیڈمی کی کارکردگی اور سیمینار میں زیر بحث آنے والے موضوعات کے پس منظر پر کلیدی خطبہ پیش کیا، مولانا عبیداللہ اسعدی نے پروگرام کی نظامت کی اور مولانا عتیق احمد بستوی نے شکریہ ادا کیا، سیمینار میں تین اہم موضوعات رکھے گئے تھے، ان میں سے ایک ایسی خرید وفروخت سے متعلق جو ایک محدود مدت کے لئے کی جائے، جس کو فقہ کی اصطلاح میں بیع وفا کہتے ہیں، دوسرے الیکشن سے مربوط مسائل، تیسرے جدید اسلامی مالیات کا ایک اہم مسئلہ صکوک اور اس کے ذریعہ سرمایہ کی فراہمی نیز اس کی خرید وفروخت، ان موضوعات کے علاوہ اقوام متحدہ کی خواتین کمیٹی کی جانب سے پیش کئے جانے والے مسائل کا جائزہ، نیز خواتین کے تحفظ کی

تدابیر اور اس سلسلہ میں معاشرے کی ذمہ داریوں کو بھی زیر بحث لایا گیا اور اس سلسلہ میں بھی اعلامیہ منظور کیا گیا، سیمینار میں منظور ہونے والی تجاویز اور یہ تفصیلی اعلامیہ حسبِ ذیل ہیں :

الیکشن سے مربوط شرعی مسائل

(۱) جمہوری نظام میں ووٹ کی غیر معمولی اہمیت ہے، اس اہمیت کے پیش نظر مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس حق کا بھرپور استعمال کریں۔

(۲) الیکشن میں باصلاحیت اور اہل افراد کا اپنے آپ کو بحیثیت اُمیدوار پیش کرنا جائز وبہتر ہے۔

(۳) قانون ساز اداروں میں ملی مفادات کے تحت مسلمانوں کی نمائندگی ضروری ہے؛ البتہ اگر کوئی قانون ایسا بنایا جائے جو شرعی احکام یا انسانی مصالح کے خلاف ہو تو اس کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کرنا مسلم ممبران کا دینی وملی فریضہ ہے۔

(۴) مسلم ممبران کا یہ بھی دینی وملی فریضہ ہے کہ شرعی احکام یا انسانی مصالح کے خلاف جو قوانین پہلے سے بنے ہوں، ان میں تبدیلی کرانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

(۵) منتخب ممبران کے لئے دستور سے وفاداری کا حلف اُٹھانے میں کوئی حرج نہیں۔

(۶) ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں مسلمانوں کے لئے الیکشن میں حصہ لینا ایک ناگزیر ضرورت ہے؛ لہٰذا ایسی سیاسی پارٹیوں میں شرکت درست ہے جن کا منشور فرقہ واریت پر مبنی نہ ہو۔

(۷) مسلم خواتین کے لئے شرعی احکام کی رعایت کے ساتھ ووٹ دینا درست ہے۔

بیع الوفا

(۱) بیع وفا کے موضوع پر تمام مقالات، تحریروں اور بحث ومباحثہ کے بعد شرکاء سیمینار کا احساس ہے کہ ہمارے معاشرہ میں باہمی تعاون اور قرضِ حسنہ کا جذبہ کم اور قرض کی واپسی میں ٹال مٹول کا مزاج بڑھتا جا رہا ہے، اس لئے سیمینار اُمتِ مسلمہ سے اپیل کرتا ہے کہ قرضِ حسنہ کی جو فضیلت ہے اس کو حاصل کرنے اور قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول کی قباحت سے بچنے کی فکر پیدا کی جائے، ساتھ ہی ساتھ شریعتِ اسلامی سے اس بارے میں جو رہنمائی ملتی ہے اس پر عمل کیا جائے۔

(۲) شریعت میں رہن کا مقصد قرض کی وصولیابی کو یقینی بنانا ہے؛ لہٰذا قرض دہندہ کے لئے مال مرہون سے استفادہ کرنا جائز نہیں، یہ غریبوں کا استحصال اور سودخوری کا ایک ذریعہ ہے۔

(۳) اگر قرض دہندہ مال مرہون سے فائدہ اُٹھائے تو انتفاع کے بقدر رقم قرض سے منہا ہوتی جائے گی، یہاں تک کہ اگر قرض کی پوری رقم کے بقدر انتفاع کر چکا ہو تو مال مرہون بغیر کسی مطالبہ کے مقروض کو واپس کرنا واجب ہوگا۔

(۴) اگر کوئی شخص سخت ضرورت مند ہو، اس کو نہ قرض حسن ملے اور نہ ہی رہن پر قرض ملے اور وہ نقد رقم حاصل کرنے کے لئے اپنی کوئی چیز کسی کے ہاتھ فروخت کرتا ہے؛ جب کہ اس کا ارادہ ہو کہ بعد میں اس کو دوبارہ خرید لے گا تو اس کی گنجائش ہے؛ البتہ واپس خریداری کا ذکر اس معاملے کے کرنے کے درمیان نہ کیا جائے؛ بلکہ اس سے الگ باہمی معاہدہ ہوجائے کہ خریدار اسے اسی قیمت پر دوبارہ بائع کو فروخت کردے گا تو ایسا کرنا درست ہوگا، اس صورت میں کہ خریدار کے لئے مبیع سے نفع اُٹھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، بعض فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، تاہم اس سے احتیاط کرنا بہتر ہے۔

(۵) کسی بھی جائداد (دکان ومکان) کو کرایہ پر لین دین کے لئے ضمانت کے نام سے لی جانے والی رقم شرعاً قرض کے حکم میں ہے۔

(۶) قرض کی بنا پر کرایہ میں مروجہ اُجرت کے مقابلہ میں غیر معمولی کمی (غبن فاحش) ''کل قرض جر نفعاً فھو حرام'' کے تحت ناجائز ہے۔

صکوک

موجودہ دور میں جو مالیاتی ادارے قائم ہوئے ہیں، ان میں سے بعض سے انسانی ضرورتیں اور معاشی مصلحتیں متعلق ہیں، نیز اپنے بنیادی مقاصد کے اعتبار سے وہ شریعت اسلامی کے مزاج ومذاق سے متصادم نہیں ہیں؛ لیکن ان کے لئے ایسا طریقۂ کار اختیار کیا گیا ہے، جس میں شرعی نقطۂ نظر سے بعض مفاسد داخل ہوگئے ہیں، علماء اسلام کا فریضہ ہے کہ وہ ان کا ایسا متبادل پیش کریں، جو اپنے طریقۂ کار کے اعتبار

سے بھی شریعتِ اسلامی سے ہم آہنگ ہو، اسی طرح کی ایک کوشش اسلامی مالیاتی اداروں نے سود پر مبنی باؤنڈز کے مقابلہ ''صکوک'' کی صورت میں کی ہے، جس کی بنیاد مختلف شرعی عقود پر رکھی گئی ہے؛ تاہم اس کی صورت میں بہت تنوع ہے اور شرکاء سیمینار کا احساس ہے کہ صورت مسئلہ کو مزید سمجھنے اور اس پر حکم شرعی کی تطبیق کے سلسلہ میں مزید غور کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے ''تجویز کمیٹی'' کی رپورٹ کو ریکارڈ کیا جاتا ہے اور اس مسئلہ کو مستقبل کے لئے موقوف رکھا جاتا ہے۔

تحفظ خواتین

اس وقت پوری دنیا میں خواتین کے حقوق اور ان کے تحفظ کا مسئلہ زیر بحث ہے، خواتین کے حقوق کے سلسلہ میں مغربی دنیا کا تصور یہ ہے کہ شوہر و بیوی ایک دوسرے کے پارٹنر ہیں، ان میں کسی کی حیثیت صدر خاندان اور قوام کی نہیں ہے؛ اس لئے اہل مغرب کا خیال یہ ہے کہ حق طلاق کے معاملہ میں مرد وعورت کو یکساں درجہ حاصل ہونا چاہئے اور کوئی بھی فریق عدالت کے رابطہ کے بغیر علاحدگی حاصل نہیں کرسکتا، اسی طرح تعدد ازدواج کی اجازت نہ عورت کے لئے ہونی چاہئے اور نہ مرد کے لئے، میراث میں دونوں کا حق برابر ہونا چاہئے، حق ولایت باپ اور ماں دونوں کو حاصل ہونا چاہئے، ۱۸/سال سے پہلے نہ لڑکیوں کو نکاح کی اجازت ہونی چاہئے اور نہ لڑکوں کو، ولد الزنا کا نسب زانی سے ثابت ہونا چاہئے، لڑکا ہو یا لڑکی ۱۸/سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد وہ اپنے جسم کے مکمل طور پر مالک ہیں اور ان کے حق میں جنسی لذت اندوزی پر کوئی ممانعت نہیں ہونی چاہئے، املاک پر مشترکہ ملکیت ہونی چاہئے، اور طلاق کے بعد املاک کی دونوں کے درمیان مساویانہ تقسیم ہونی چاہئے، مرد خود اپنی منکوحہ سے اگر اس کی رضامندی کے بغیر جنسی تمتع کرے تو اس کو بھی جرم اور زنا شمار کیا جانا چاہئے، خواتین کو مانع حمل وسائل استعمال کرنے اور اپنا حمل ساقط کرانے کی اجازت ہونی چاہئے۔

یہ وہ تجاویز ہیں جو اقوام متحدہ کی خواتین کمیٹی کے ۵۷/ویں اجلاس منعقدہ: ۱۴-۱۵/مارچ ۲۰۱۳ء میں پیش کی جانے والی ہیں، جس کا عنوان ہے ''عورتوں اور نوجوان لڑکیوں کے خلاف تشدد اختیار کئے جانے والے تمام تر طریقوں کی روک تھام اور ان کا خاتمہ''، نیز مغربی قوتوں کی طرف سے کوشش کی جارہی ہے کہ اقوام متحدہ کے تمام ممبر ممالک اس پر دستخط کردیں اور جو ممالک اس پر دستخط کریں گے اگر اُن ممالک میں اس کے خلاف قانون باقی رکھا گیا تو اقوام متحدہ کو اس میں مداخلت کرنے اور ان حکومتوں کو بین الاقوامی عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

اگر چہ ان قوانین کی زد تمام ہی آسمانی اور غیر آسمانی مذاہب پر پڑتی ہے ؛ لیکن صورتِ حال یہ ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ تمام مذہبی گروہوں نے اس بات کو عملاً قبول کرلیا ہے کہ مذہب سے ان کا تعلق محض رسمی ہوگا، زندگی کے دوسرے مسائل میں مذہب کا کوئی دخل نہیں ہوگا، یہ صرف اُمتِ مسلمہ ہے، جو آج بھی مذہب کو اپنی پوری زندگی میں حکمراں تسلیم کرتی ہے؛ اس لئے ٹکراؤ براہ راست مسلمانوں سے ہوگا، عالم اسلام اور ملتِ اسلامیہ کا فریضہ ہے کہ وہ حکمت اور بلند حوصلگی کے ساتھ اس صورتِ حال کا مقابلہ کریں اور ہرگز ایسی غیر اخلاقی مہم سے متاثر نہ ہوں۔

ایک اہم مسئلہ پوری دنیا میں خواتین کے ساتھ ظلم وزیادتی اور تشدد کا بڑھتا ہوا رجحان ہے، خود ہمارے ملک ہندوستان میں خواتین پر تشدد اور جنسی ہراسانی کے جو واقعات پیش آرہے ہیں، وہ انتہائی افسوس ناک ؛ بلکہ پوری قوم کے لئے باعث شرم ہیں، ہر طرف سے اس کی روم تھا م کے لئے سخت قوانین بنائے جانے کا مطالبہ ہورہا ہے اور حکومت اس پر غور کررہی ہے۔

اسلام کا تصور یہ ہے کہ خود فطرت نے مردوں اور عورتوں کے درمیان صلاحیتوں کا اور قویٰ کا فرق رکھا ہے؛ اس لئے خاندانی نظام کے استحکام اور سماج کو پاکیزہ رکھنے کے لئے مساوات کی نہیں، عدل کی ضرورت ہے، مردوں پر ان کی صلاحیتوں کے مطابق ذمہ داریاں عائد کی جائیں اور عورتوں پر ان کی صلاحیت کے لحاظ سے، پھر جس پر جو ذمہ داریاں ہوں اور ان کی جو صلاحیتیں ہوں، اسی لحاظ سے ان کے حقوق وفرائض مقرر ہوں ؛ اسی لئے اسلام نے تمام مالی ذمہ داریاں، خاندان کی کفالت اور اس کی حفاظت مردوں کے ذمہ رکھی ہے، عورتوں کو اس سے فارغ رکھا گیا ہے ؛ لیکن خاندانی نظام میں استحکام اور انتظام کو برقرار رکھنے کے لئے مرد کو صدر خاندان بنایا گیا ہے اور اس کی حیثیت ''قوام ونگران'' کی مقرر کی گئی ہے، عائلی زندگی سے متعلق تمام احکام کی بنیاد اسی اُصول پر ہے۔

اسی طرح اسلام کی نظر میں خواتین کے تحفظ کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور مردوں پر اس کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے ؛ لیکن وہ اس بات پر بھی توجہ دیتا ہے کہ ان اسباب ومحرکات کو ختم یا کم سے کم کردیا جائے جو انسان کو جرم پر اُکساتی ہیں، ایسا ماحول بنایا جائے جس میں لوگوں کے اندر جرم کی تحریک ہی پیدا نہ ہو، پھر اس کے ساتھ ساتھ جرائم پر سخت سزائیں مقرر کی جائیں ؛ تاکہ مظلوم کے ساتھ بھی انصاف ہو اور مجرم کے ساتھ بھی ناانصافی نہ ہو، جرم کے محرکات کو روکے بغیر صرف سخت سزائیں مقرر کردی جائیں تو اس سے جرم کا سد باب نہیں ہوسکتا اور یہ بات تقاضائے انصاف کے خلاف بھی ہے۔

اس پس منظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے بائیسواں فقہی سیمینار منعقدہ: ۲۶-۲۸/ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ مطابق ۹-۱۱/ مارچ ۲۰۱۳ء، جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں اس موضوع سے متعلق درج ذیل تجاویز منظور کی جاتی ہیں :

(۱) انسانی آباد — بہ شمول مغربی اور مغرب زدہ ممالک — کا غالب ترین حصہ کسی نہ کسی مذہب سے وابستہ ہے اور سماجی وازدواجی زندگی میں عورتوں اور مردوں کے درمیان مکمل مساوات ، نیز لڑکوں اور لڑکیوں کو بغیر کسی قانونی رشتہ کے فطری اور غیر فطری طریقہ پر جنسی لذت اندوزی کی اجازت دینا تمام مذاہب کی مسلمہ تعلیمات کے خلاف ہے ؛ اس لئے جب یہ ممالک جمہوریت اور رائے عامہ کے احترام پر مبنی نظام حکومت کا دعویٰ کرتے ہیں تو ان کا فریضہ ہے کہ ایسے مذہب بیزار اور اخلاق باختہ قوانین سے خود بھی اپنا دامن بچائیں اور دوسروں پر بھی ان کو مسلط کرنے کی کوشش نہ کریں۔

(۲) یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مساوات کا یہ تصور اپنی تفصیلات کے ساتھ قانونِ فطرت سے متصادم ہے اور جب بھی انسان قانون فطرت سے ٹکراتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہوتا ہے، جس کی ایک مثال ایڈز جیسی جان لیوا اور موذی بیماری ہے؛ اس لئے پوری دنیا کا فریضہ ہے کہ وہ قانونِ فطرت سے متصادم ہونے کا خیال ترک کردے اور الہامی قوانین کی برتری کو تسلیم کرے؛ کیوں کہ یہ خود خالق فطرت کا نازل کیا ہوا قانونِ زندگی ہے، جس سے بڑھ کر کوئی اور ذات انسانیت کی مصلحت اور مضرت سے آگاہ وباخبر نہیں ہوسکتی۔

(۳) عالم اسلام سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ مغرب کی اس سازش کو سمجھنے کی کوشش کریں ، جس کا مقصد خواتین کے حقوق کا تحفظ نہیں ہے ؛ بلکہ خاندان سے متعلق اسلام کے بنیادی تصور کو ڈھادینا ہے؛ اس لئے وہ پوری قوت کے ساتھ اس خدا بیزار، انسانیت مخالف اور اخلاق دشمن مہم کی مخالفت کریں اور ہرگز ایسے کسی مسودہ پر دستخط نہ کریں۔

(۴) حکومتِ ہند سے اپیل کی جاتی ہے کہ اس ملک میں بسنے والی تمام ہی مذہبی اکائیوں کے نزدیک اس طرح کے قوانین ناقابل قبول ہیں اور ملک کے دستور میں تمام شہریوں کو جو مذہبی آزادی عطا کی گئی ہے، سراسر اس کے مغائر ہے، اس لئے ہندوستان کو ان تجاویز پر ہرگز دستخط نہیں کرنا چاہئے۔

(۵) حکومتِ ہند سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ جنسی جرائم کے سد باب کے لئے

صرف زنا پر سخت سزا کو کافی نہ سمجھے ؛ بلکہ ان اسباب ومحرکات کو روکے، جو اس گناہ پر اُکساتے ہیں، جیسے : شراب کے کارخانے بند ہوں، مکمل طور پر نشہ پر پابندی عائد کی جائے، جو دستوار ہند کے رہنماء اُصول کا حصہ ہے، جداگانہ نظام تعلیم کی تشکیل کی جائے، اجنبی مرد وعورت کے اختلاط کو حتی المقدور روکا جائے، لڑکوں اور لڑکیوں کو ڈھیلے ڈھالے اور ساتر لباس پہننے کا پابند کیا جائے فحش فلموں اور میڈیا کے ناشائستہ پروگراموں کو روکا جائے، خواتین کے لئے نائٹ ڈیوٹی کو ممنوع قرار دیا جائے، نکاح کے لئے لڑکوں کے حق میں ۲۱ / سال کی اور لڑکیوں کے حق میں ۱۸ / سال کی شرط ختم کردی جائے اور اس طرح کی احتیاطی تدابیر کے ساتھ پھر زنا —— خواہ وہ باہمی رضامندی سے ہو یا جبر کے ساتھ —— کی سخت سزا مقرر کی جائے۔

(۶) یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ صرف قانون کے ذریعہ کسی برائی کو روکا نہیں جاسکتا، جب تک کہ دل ودماغ میں تبدیلی نہ لائی جائے، اس لئے اس وقت زنا، قتل، رہزنی اور کرپشن کے بڑھتے ہوئے واقعات اور ان واقعات میں تعلیم یافتہ لوگوں کے یکساں طور پر ملوث ہونے کے اعتبار سے یہ بات ضروری ہوگئی ہے کہ حکومت اخلاقی تعلیم کو تعلیمی اداروں کے نصاب میں لازمی جزو کی حیثیت سے شامل کرے، ذرائع ابلاغ کے ذریعہ اخلاق پر مبنی تربیتی پروگرام نشر کئے جائیں اور تجارتی اشتہارات کو اخلاقی قدروں کا پابند بنایا جائے۔

(۷) مسلمان ایک داعی گروہ ہیں اور ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ صرف زبان ہی سے نہیں ؛ بلکہ اپنے عمل کے ذریعہ بھی اسلام کی دعوت پیش کریں، خواتین سے متعلق حقوق ادا کرنے کا اہتمام کریں، ان پر مظالم کے ارتکاب سے بچیں، عورتوں کو شرعی اُصولوں کے مطابق میراث میں ان کا حق دیا کریں، طلاق کے بے جا استعمال سے پرہیز کریں، نکاح کو عبادت کے بجائے تجارت نہ بنالیں اور ایک ایسے سماج کی تعمیر کریں، جو واقعی اس حسن سلوک کا بہترین مظہر ہو، جس کا اسلام میں حکم دیا گیا ہے اور جس میں خواتین کی عزت وتوقیر کا پورا پورا لحاظ رکھا جاتا ہو۔

○ ○ ○

شیخ فیصل مولویؒ

لبنان کے ایک مایۂ ناز فقیہ اور داعی

مولانا محمد اعظم ندوی ●

سرزمین شام زرخیز بھی ہے، مردم خیز بھی، اب یہ نام شام (سیریا) اُردن، لبنان، فلسطین اور مقبوضہ فلسطین (اسرائیل) کے مجموعی خطہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، ان میں لبنان کو اس اعتبار سے بڑی اہمیت حاصل ہے کہ یہ مختلف مذاہب، گوناگوں تہذیبوں اور زبانوں کا گہوارہ ہے، یہاں عربی کے علاوہ انگریزی اور فرنچ بولنے والوں کی ایک بڑی تعداد آباد ہے، یہاں مسلمان ۵۹ فیصد سے زیادہ ہیں جن میں نصف سے کچھ زیادہ اہل سنت اور باقی شیعہ ہیں، ۳۹ فیصد عیسائی ہیں، ان کا سب سے بڑا فرقہ ''موارنہ'' ہے، یہودیوں کی بھی ایک بڑی تعداد یہاں موجود ہے، یہ ملک براعظم ایشیا کے جنوب مغرب میں واقع ہے، اس کو شمال اور مشرق سے شام، جنوب سے مقبوضہ فلسطین اور مغرب کی جانب سے بحرابیض متوسط (Mediterranean Sea) گھیرے ہوئے ہے، ۶۴ قبل مسیح میں اسی ملک میں شاہ بعلبک نے شہر بعلبک بنوایا تھا، اس کے تہذیبی تنوع کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ ملک اپنے جائے وقوع کے اعتبار سے ایشیا، افریقہ اور یورپ تین براعظموں سے جڑا ہوا ہے، عیسائیوں کو اس ملک میں معاشرتی زندگی کے علاوہ سیاسی اور تہذیبی نمائندگی کا حق بھی دیا گیا ہے؛ چنانچہ لبنان جب ۱۹۴۳ء میں فرانس کی سامراجی طاقت سے آزاد ہوا تو ملک کی آبادی کا اس بات پر اتفاق ہوگیا کہ ملک کا صدر عیسائی ہوگا، وزیر اعظم سنی مسلمان اور پارلیمانی صدر شیعہ مسلمان ہوں گے؛ چنانچہ اس وقت بھی ملک کے عیسائی صدر میشال سلیمان، سنّی وزیر اعظم نجیب میقاتی اور شیعی پارلیمانی صدر نبیہ بری ہیں، اس طرح اس ملک میں جمہوریت اپنی ایک پہچان اور معنویت رکھتی ہے، ۱۵۱۶ء سے پہلی عالمی جنگ کے اختتام (۱۹۱۸ء) تک یہ ملک خلافتِ عثمانیہ کے زیر سایہ رہا، اس کے بعد فرانس نے اس پر اپنا ناجائز قبضہ کیا جو ۱۹۴۳ء میں متحدہ اور مسلح جدوجہد کے ذریعہ ختم کیا گیا، ۱۹۸۲ء میں اسرائیل نے بھی جنوبی لبنان پر قبضہ کی کوشش کی اور ملک کو ایک میدان جنگ میں تبدیل کردیا؛ لیکن ۱۹۸۵ء میں کسی طرح ''جنگ لبنان''

● استاذ: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد۔

ختم ہوئی اور ۲۰۰۰ء میں اسرائیلی فوج کو پوری طرح جنوبی لبنان کے انخلاء پر مجبور کیا گیا اور تمام مقبوضہ اراضی کو آزاد کیا گیا، اس ملک میں بڑے بڑے علماء وقضاۃ، ادباء وشعراء، صحافت اور فنون جمیلہ کے آفتاب و ماہتاب پیدا ہوئے، مشہور مصنف اور مفکر امیر البیان شکیب ارسلان (ت: ۱۹۴۶) اسی خاک سے اُٹھے جو بے شمار فکری اور ادبی کتابوں کے کامیاب مصنف ہیں اور '' حاضر العالم الاسلامی'' پر ان کے حواشی نے فکر ونظر کی دنیا میں ان کو اعتبار عطا کیا اور اسلامی فکر کی آبیاری میں بنیادی کردار ادا کیا، ادبِ عربی کا مشہور نام احمد فارس شدیاق (ت: ۱۸۸۷ء) کا تعلق اس ملک سے ہے جنھوں نے ''الجاسوس علی القاموس'' جیسی لغت لکھی ہے اور اس کے ذریعہ فیروز آبادی کی ''القاموس المحیط'' پر تنقید بھی کی، ''الجوائب'' نامی پہلا عربی مجلّہ جاری کیا، مشہور مؤرخ وصحافی اور ''تاریخ التمدن الاسلامی'' کے مصنف جرجی زیدان (ت: ۱۸۶۱ء) نے اسی سرزمین میں آنکھیں کھولیں، عالمی شہرت یافتہ شاعر وادیب اور آرٹسٹ جبران خلیل جبران کا تعلق اسی ملک سے ہے، ''محیط المحیط'' کے مصنف پطرس بستانی (ت: ۱۸۸۳ء) یہیں پیدا ہوئے، ادب مہجر کے ممتاز شعراء خلیل مطران (ت: ۱۹۴۹ء) اور میخائیل نعیمہ (ت: ۱۹۸۸ء) اسی ملک کے رہنے والے تھے، فلسفی اور صحافی ''ابن رشد و فلسفتہ'' کا مصنف فرح انطون (ت: ۱۹۸۸ء) کا انتساب اسی خطہ سے ہے، اسلامی کتابوں کے مشہور ناشر شیخ زہیر شاویش (ت: ۲۰۱۳ء) اسی سرزمین سے تعلق رکھتے ہیں، الاخوان المسلمون کے مشہور عالم اور داعی فتحی یکن (ت: ۲۰۰۹ء) ابراہیم مصری صدر جماعت اسلامی لبنان، اور ڈاکٹر مصطفیٰ طحان صدر عالمی طلبہ تحریک اسی ملک کی نامور شخصیات کے نام ہیں اور مشہور عالم ربانی، بصیرت مند داعی اور قاضی شیخ فیصل مولوی بھی اسی ملک کے تاریخی شہر طرابلس کے مایہ ناز فرزند تھے، جو بیروت کے بعد سب سے بڑا شہر ہے، سنی مسلمانوں کی آبادی بیروت اور صیدا کے علاوہ اس شہر میں بھی بڑی تعداد میں ہے۔

مختصر حالاتِ زندگی

شیخ فیصل مولوی ۱۹۴۱ء میں طرابلس میں پیدا ہوئے اور ۵/ جمادی الآخر ۱۴۳۲ھ مطابق ۸/ مئی ۲۰۱۱ء کو وفات پا گئے اور طرابلس میں ہی مدفون ہوئے، اس طرح انھوں نے ستر سال عمر پائی، ۱۹۶۷ء میں 'کلیۃ الحقوق' لبنان سے حقوق کی تعلیم حاصل کر کے فارغ ہوئے، ۱۹۶۸ء میں سوربون یونیورسٹی فرانس سے قانون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی، گو انھوں نے تعلیم کے علاوہ ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۵ء تک کا وقفہ بھی دعوتی مقاصد سے فرانس میں گذارا؛ لیکن مستقل طور پر لبنان میں رہ کر کام کیا، جب کہ لبنان کے علماء، ادباء اور سائنس داں زیادہ تر وہاں سے منتقل ہو کر کسی عرب ملک یا یورپ اور امریکہ میں رہ کر کام کرنے کو ترجیح دیتے ہیں؛ چنانچہ مہاجر لبنانیوں کی تعداد مقیم لبنانیوں سے زیادہ ہے، اس پس منظر میں ان کا اپنے ملک میں مقیم رہ کر کام کرنا ان کے حق میں قابل تعریف اور دوسروں کے لئے

قابل عمل ہے، بہت کم عمری (۱۹۵۵ء) میں ہی وہ میدان عمل میں آ گئے تھے، اوران کو''جماعۃ عباد الرحمٰن، لبنان'' کا جنرل سکریٹری نامزد کیا گیا تھا، ۱۹۶۸ء میں لبنان کے قاضی شریعت منتخب ہوئے اور بیروت، طرابلس اور ایشیا میں سول شرعی عدالتوں میں خدمت انجام دی، اس کے بعد''جمعیۃ التربیۃ الاسلامیۃ، لبنان'' کے صدر ہوئے، ''بیت الدعوۃ والدعاۃ، لبنان'' کی صدارت اس کے سن قیام ۱۹۹۰ء سے ہی ان کے حصہ میں آئی، لبنان میں الاخوان المسلمون کی شاخ ''جماعت اسلامی'' کے سابق صدر فتحی یکن کے ۲۰۰۹ء میں انتقال کے بعد آپ کو ہی اس کا صدر منتخب کیا گیا، ۱۹۸۸ء میں سپریم کورٹ لبنان کے ایڈوائزر منتخب ہوئے اور ۱۹۹۶ء میں اس سے سبکدوش ہوئے، ۲۰۰۱ء میں آپ کو لبنان میں ''قاضی شرف'' (اعزازی قاضی قضاۃ) کے منصب پر فائز کیا گیا، آپ نے فرانس میں اپنے قیام کے دوران''اتحاد الطلبة للمسلمين'' قائم کیا، ۱۹۹۰ء میں ''یورپین کالج برائے اسلامیات'' شاتوشینون (فرانس) میں قائم کیا اور ۱۹۹۴ء تک اس کے عمید رہے، یورپ کی مختلف دینی تنظیموں کا ایک متحدہ محاذ بنایا، ۱۹۹۷ء میں یورپ کی اسلامی فقہ اکیڈمی''المجلس الأوروبي للإفتاء والبحوث'' برطانیہ کے قیام میں پیش پیش رہے، ڈاکٹر یوسف قرضاوی کو مجلس کا صدر اور شیخ فیصل مولوی کو نائب صدر منتخب کیا گیا، الاخوان المسلمون کی مجلس شوریٰ کے تاحیات رکن رکین رہے۔

تصنیف وتالیف

انھوں نے فقہ اسلامی اور دعوت کے موضوع پر کئی اہم کتابیں تصنیف فرمائیں، جن میں سے چند یہ ہیں :

— طہارت ونجاست میں — الکحل ملی ہوئی دواؤں کا حکم: ''حكم الدواء إذا دخل فيه الكحول''۔

— عبادات میں: ''تيسير فقه العبادات''۔

— معاملات میں — سود اور بینکنگ کے موضوع پر: ''دراسات حول الربا والمصارف والبنوك''۔

— انشورنس کے موضوع پر: ''نظام التأمين وموقف الشريعة منه''۔

— کاغذی نوٹ کے موضوع پر: ''أثر انهيار قيمة الأوراق النقدية''۔

— مسلم پرسنل لا میں وراثت کے موضوع پر: ''أحكام المواريث — دراسة مقارنة''۔

— بین الاقوامی تعلقات کے موضوع پر: — مسلم غیر مسلم تعلقات کی بنیادیں: ''الأسس الشرعية للعلاقات بين المسلمين وغير المسلمين''۔

— اہل کتاب کو سلام کرنے کے موضوع پر: ''السلام على أهل الكتاب — رؤية شرعية''۔

— اسلامی افکار پر — اسلام اور غلامی کے موضوع پر: ''موقف الإسلام من الرق''۔

— حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت سے متعلق: ''نبوة آدم''۔
— خواتین سے متعلق: ''المرأة فی الإسلام''۔
— اسلامی تربیت پر: ''سلسلة مبادئ التربية الإسلامية'' اس کتاب کی کئی جلدیں ابتدائی اور ثانوی اسکولوں کے لئے نصابی کتاب کے طور پر آپ نے تیار کیں۔
— دعوت کے موضوع پر — مغربی ممالک میں دعوت کے بنیادی مفاہیم: ''المفاهيم الأساسية للدعوة الإسلامية في بلاد الغرب''۔

اہم مقالات ومضامین

آپ کے مقالات زیادہ تر دعوت اور فقہ کے موضوع پر ہوتے تھے، اکثر ''مجلة الشهاب'' لبنان میں شائع ہوتے تھے، ان میں اہم مقالات درجہ ذیل ہیں :

— یورپ میں مسلمان شہری کی حیثیت سے: ''المسلم مواطناً في أوروبا''۔
— کفاءت پر: ''الكفاءة في النكاح''۔
— غیر مسلم قاضی کی طلاق پر: ''حكم تطليق القاضي غير المسلم''۔
— جنس کی تبدیلی کا مسئلہ: ''تبديل الجنس من منظور إسلامي''۔
— اقلیتی ممالک میں مسلمانوں کی سیاست میں شمولیت: ''تأصيل الموقف الشرعي للعمل السياسي للأقليات المسلمة بأوروبا''۔

اہم پروگرامس

مختلف ٹی وی چینل پر آپ کی فقہی اور سیاسی آراء بھی پیش کی جاتی تھیں، خاص طور سے مشہور ٹی وی چینل ''الجزیرۃ'' کے اسلامی پروگرام ''الشريعة والحياة'' پہ آپ کے محاضرات ہوئے، اور آپ سے کئی انٹرویوز لئے گئے، جن میں چند مشہور یہ ہیں :

— شہریت کے موضوع پر: ''المواطنة فی الفقه السياسي الإسلامي'' (۲۰۰۷ء)۔
— فتویٰ اور سیاست کے موضوع پر: ''الفتوىٰ والسياسة'' (۲۰۰۶ء)۔
— مسلم ممالک میں یہود ونصاریٰ کی حیثیت سے متعلق: ''أهل الكتاب هل هم ذميون أم مواطنون ؟'' (۱۹۹۹ء)۔

فقہ وفتاویٰ

شیخ فیصل مولوی نے فقہ پر کئی کتابیں تحریر فرمائیں، جیسا کہ اوپر ذکر آیا، مختلف فقہ اکیڈمیز میں مقالات لکھے

اور پڑھے، وہ چوں کہ لبنان کے چیف جسٹس اور فقہ کونسل یورپ کے نائب صدر تھے، اس لئے کثرت سے انفرادی طور پر بھی اور بعض اداروں کی طرف سے بھی جدید مسائل پر آپ کی رائے معلوم کی جاتی تھی، اس لئے آپ کے فتاویٰ کی بڑی اہمیت تھی۔

آپ کے فتاویٰ میں اعتدال اور توسع ہے، نصوص سے استدلال کا خاص اہتمام ہے، فقہی مراجع پر بھی آپ کی گہری نظر ہے، عرب علماء میں بالعموم ''فقہ مقارن'' پر عمل کرنے کا رجحان ہے اور ہر مسئلہ میں اہل سنت کے چاروں دبستانِ فقہ کی آراء پر غور وفکر کے بعد کسی ایک رائے کو ترجیح دینے کا اُسلوب اکثر اہل علم ونظر کے یہاں نمایاں طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

ہمیں یہی رنگ شیخ مولوی کے فتاویٰ میں بھی نظر آتا ہے، اور چوں کہ فرانس میں انھوں نے پانچ سال مسلسل گذارے اور وہاں کی علمی ودعوتی تنظیموں نے ہمیشہ ان سے ربط رکھا، اس لئے ان کی فقہی تحریروں کے موضوعات اکثر وہ ہیں جن کی زیادہ ضرورت مسلم اقلیتی ممالک میں ہے، بعض مسائل میں انھوں نے اپنے توسع کا دائرہ بہت وسیع کر دیا ہے؛ لیکن یہ اس اُمت کا امتیاز ہے، ایسے مسائل اہل علم کے نقد ونظر سے نکھر جاتے ہیں، اور بڑے سے بڑا عالم وفقیہ کسی غریب اور شاذ رائے کو اختیار کر کے یا اپنی رائے میں نصوص کی حدود اربعہ سے دور جا کر اہل علم کی تنقید سے محفوظ نہیں رہ پاتا، شیخ فیصل مولوی کے بہت سے فتاویٰ اور فقہی تحریروں کی بھی اربابِ افتاء نے تردید کی ہے، مثلاً انھوں نے مشرکین کے ذبیحہ سے متعلق ایک ایسا فتویٰ دیا جس پر چاروں طرف سے تنقید ہوئی، ذیل میں ہم ان کے چند فتاویٰ نقل کرتے ہیں :

مشرکین کا ذبیحہ

ذبح شرعی کی شرطوں میں ایک یہ بھی ہے کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا کتابی، اور ان اہل کتاب کے بارے میں بھی علماء کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے، جن کا اپنے مذہبی عقائد وعبادات سے کوئی تعلق نہیں رہا، کمیونزم یا سیکولرزم کے قائل ہوگئے، یا ماسونیت اور اس جیسی کسی تحریک سے وابستہ ہوگئے جس کا آسمانی مذہب سے براہ راست رشتہ باقی نہیں رہا اور اس طرح ان کا ملحد اور منکر خدا ہونا یقینی طور پر معلوم ہوگیا ہو، جہاں تک مشرک کے ذبیحہ کا تعلق ہے تو قدیم وجدید ہر دور میں علماء کا اتفاق رہا ہے کہ اس کا ذبیحہ درست نہیں: ''**فلا تحل ذبيحة الوثني والمجوسي ، وهذا متفق عليه**''(۱) لیکن اس کے برخلاف شیخ فیصل مولوی کا فتویٰ اس طرح ہے :

إن تحريم الذبائح لا يتعلق بشخص الذابح ، وأنه مسلم أو كتابي أو

(۱) الموسوعة الفقهية:۱۸۴/۲۱۔

مشـرک ، وإنـمـا يتـعـلـق بـالغاية من الذبـح ، عند مايكون تقرباً إلى الأصـنـام والأوثـان والآلهة المدعاة ، أو يتعلق بكيفية الموت ، وهل هو ذكا ة شـرعية أو لا ، وبـنـاء عـلى ذلک فإن ذبائح المشركين إذا قـطـعت أوداجها والحلقوم والمري ء ، ولم يهلّ بها إلى غير الله فإنها حلال . (۱)

ذبیحہ کے حرام ہونے کا تعلق ذبح کرنے والے کی ذات سے نہیں، اور نہ اس سے کہ وہ مسلمان ہے یا کتابی یا مشرک، اس کا تعلق ذبح کے مقصد سے ہے، اگر اس کا مقصد بتوں اور معبودانِ باطلہ سے تقرب حاصل کرنا ہو، یا موت کی کیفیت سے ہے اور یہ کہ شرعی طور پر ذبح ہوا یا نہیں، بنابریں مشرکین کے ذبیحہ میں اگر متعین رگوں ودجین (خون کی دونوں نالیوں)، حلقوم (سانس کی نالی) اور مریٔ (غذا کی نالی) کو کاٹنے کا اہتمام کیا گیا ہو اور اس پر اللہ کے علاوہ کسی اور کا نام نہ لیا گیا ہو تو وہ حلال ہے۔

موسیقی

متقدمین میں علامہ ابن حزم ظاہری ؒ (ت: ۴۵۶ھ) نے موسیقی کو حلال قرار دیا تھا، اور اپنی کتاب ''المحلی'' میں اس کو بڑے پرزور انداز میں ثابت کیا ہے، (۲) اس کے علاوہ ان تمام احادیث پر کلام کیا ہے جو موسیقی کو ناجائز قرار دیتی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ موسیقی کے جواز کے قائل تھے؛ لیکن ان کے معاصر اور زمانۂ مابعد کے علماء نے ان کی اس رائے پر سخت نکیر کی ہے، بعض اہل حجاز سے بھی اس طرح کا قول منقول تھا اور ظاہر ہے کہ اہل حجاز سے مراد ہیں مکہ کے فقہاء عطاء، عکرمہ اور ابن جریج رحمہم اللہ وغیرہ اور مدینہ کے سات فقہاء جو چار مشہور مسالک کے وجود میں آنے سے پہلے اہل سنت کے لئے مرجع کی حیثیت رکھتے تھے، فقیہ شام امام اوزاعی ؒ (ت: ۱۵۷ھ) نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا تھا:

نـدع مـن قول أهل الحجاز استماع الملاهي والجمع بين الصلاتين من غير عذر . (۳)

---

(۱) مجلہ الشهاب، لبنان، شمارہ: ۱، سال: ۸، ص: ۱۵-۱۶ (۲۵/ جمادی الاول ۱۳۹۴ھ) بحوالہ: الذبائح والطرق الشرعية في إنجاز الزكاة: ڈاکٹر محمد الهواری، مجلہ مجمع الفقه الاسلامی جدہ: ۱۰/ ۳۳۶۔ (۲) المحلی: ۹/ ۵۵۔

(۳) سير الأوزاعی: ۷/ ۱۳۱، بحوالہ: فتاویٰ فی الرد علی الشبه وتصحيح المفاهيم، بعنوان: هل الموسيقى حلال: ۱/ ۲۴۲۔

ہم موسیقی سننے اور بغیر عذر کے جمع بین الصلا تین کے سلسلہ میں اہل حجاز کے قول کو ترک کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ بھی علماء کا ایک بڑا طبقہ دف اور بعض اس جیسے آلات موسیقی کے علاوہ ساز وطبل اور بربط ومضراب کی تمام اقسام کو ناجائز قرار دیتا ہے، یہ اس کی تفصیل کا موقع نہیں؛ لیکن موجودہ دور کے بہت سے علماءِ عرب کی طرح شیخ فیصل مولوی بھی موسیقی کے بارے میں اپنے فتویٰ میں جواز کی طرف مائل ہیں، فرماتے ہیں :

الأصل في الموسيقى الإباحة لأنها مجرد صوت جميل ، وإنما ورد التحريم لبعض الآلات الموسيقية (وهي الأوتار والمزامير) لسبب طارئ ، وهو أنها كانت قرينة شرب الخمر ، فكل أنواع الآلات الموسيقية المستحدثة تقاس في رأينا على المباح لأنه الأصل ، ولا تقاس على المحرم ، الأن القاعدة أن " ماجاء على خلاف القياس فغيره لا يقاس عليه " .

موسیقی کے مسئلہ میں اصل یہ ہے کہ وہ جائز ہے؛ کیوں کہ وہ محض ایک خوبصورت آواز کا نام ہے، عارضی سبب کی بنا پر اسے حرام قرار دیا گیا اور وہ یہ ہے کہ یہ میخواری کا قرینہ تھا؛ چنانچہ موسیقی کے تمام جدید آلات کو ہماری رائے میں اس کی جائز شکل پر قیاس کیا جائے گا، حرام پر قیاس نہیں کیا جائے گا؛ چوں کہ قاعدہ یہ ہے کہ: جو حکم خلاف قیاس وارد ہو کسی دوسرے مسئلہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔(۱)

اہل کتاب کو سلام

سلام امن وسلامتی کی دُعاء ہے، کیا یہ دُعاء کسی غیر مسلم کو نہیں دی جاسکتی؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: **لا تبدؤا اليهود ولا النصارىٰ بالسلام**،(۲) (یہود ونصاریٰ کے ساتھ سلام میں پہل مت کرو) دوسری طرف آپ ﷺ نے جب شاہ روم ہرقل کو دعوتی خط روانہ فرمایا تو آپ ﷺ نے اس خط میں ''**سلام على من اتبع الهدىٰ**''(۳) (سلامتی ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کا راستہ اپنایا) تحریر فرمایا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صورت میں سلام کے مخصوص کلمات سے منع فرمایا گیا ہے اور وہ مسلمانوں کا آپسی سلام ''السلام علیکم'' ہے جس پر دس نیکی کا وعدہ ہے، اس پر ''رحمۃ اللہ'' کا اضافہ کر لیا جائے تو بیس نیکیوں کا وعدہ ہے اور ''وبرکاتہ'' مزید بڑھا لیا جائے تو تیس نیکیوں کا وعدہ ہے،(۴)

(۱) www.islamweb.net (۲) مسلم:۵۷۸۹۔

(۳) بخاری:۷۔ (۴) ابوداود:۵۱۹۷۔

اس پر علماء کا اتفاق ہے اور سلام کے ان مخصوص کلمات کا استعمال مسلمانوں کے علاوہ کسی اور کے لئے کرنا حرام یا مکروہ قرار دیا گیا ہے۔

جدید دور کے فقہاء کی ایک بڑی تعداد نے غیر مسلموں کو انھیں کلمات کے ساتھ سلام کرنے کی اجازت دی ہے، بطور خاص اس پس منظر میں کہ دنیا کے بیشتر ممالک میں مسلمانوں کا زندگی کے بے شمار معاملات میں غیر مسلموں سے سامنا ہے، اور یہ دونوں ان ممالک میں پرامن شہری کی حیثیت سے پرامن بقائے باہم کے اُصولوں پر زندگی گذار رہے ہیں، ان کے نزدیک ملاقات کے مواقع کے لئے سلام کے جو بہتر سے بہتر کلمات ہو سکتے ہیں وہ مسلمانوں کے لئے محبت کے ساتھ استعمال کرتے ہیں، ایک مسلمان جب ان سے ملاقات کے وقت کبھی سلام میں پہل نہیں کرتا، کبھی سلام کرتا ہے تو دوسرے ذو معنی الفاظ میں مثلاً آداب وغیرہ، وہ اگر مسلمانوں سے ملاقات کے وقت اسلامی سلام کے الفاظ استعمال کریں تو ہمارا سرّی جواب، یا مختصر اور پھیکا جواب ہمارے اخلاقی وقار واعتبار کو متأثر کرتا ہے، اس لئے دعوتی نقطۂ نظر سے بہت سے علماء نے انھیں کلمات میں سلام کرنے اور سلام کا جواب دینے کی اجازت دی ہے، سلف میں بھی حضرت ابن عباس ﷺ، ابن مسعود ﷺ، عمر بن عبدالعزیز ﷺ، شعبی ﷺ اور اوزاعی ﷺ وغیرہ کا مسلک رہا ہے، علامہ رشید رضا مصری (ت:۱۳۵۴ھ) نے اپنی تفسیر ''المنار'' میں اس کے جواز پر عقل ونقل دونوں پہلوؤں سے مفصل گفتگو کی ہے جو قابل مطالعہ ہے۔(۱)

علامہ حصکفی ﷺ (ت:۱۰۸۸ھ) نے لکھا ہے :

ویسلم المسلم علی أهل الذمة لوله حاجة إلیه وإلا کره هو الصحیح .(۲)

مسلمان ذمیوں کو اس وقت سلام کرسکتا ہے جب اس کو اس سے کوئی ضروری کام ہو، ورنہ مکروہ ہے، یہی صحیح ہے۔

جب دنیوی ضرورت کے لئے اجازت ہے تو دعوت تو بہت بڑی دینی ضرورت ہے، شیخ فیصل مولوی نے ان دلائل کو پیش کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ اس کے جواز پر فتویٰ دیا؛ بلکہ پوری کتاب لکھی، ان کے اس نقطۂ نظر کا خلاصہ یہ ہے کہ :

— کافر کو ''السلام علیکم'' کہنا جائز ہے، چوں کہ افشاء سلام کی صحیح ترین احادیث مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لئے عام ہیں۔

— اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ کوئی سلام کرے تو بہتر جواب دو یا کم از کم اس کے مثل جواب دو، (النساء:۸۶) چنانچہ اگر کوئی کتابی سلام کرے تو کم از کم اس کے سلام کے مثل سلام کا جواب دیا جائے گا۔

(۱) دیکھئے: المنار: ۲۵۵/۵۔ (۲) الدر المختار: ۲۵۱/۲۔

— اگر کوئی سلام میں غلط لفظ استعمال کرے تو صرف اس طرح جواب دیا جائے گا ''السام علیکم'' کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ نے صرف ''وعلیکم'' کہنے کی اجازت دی۔

— معاف کرتے ہوئے اس سے بہتر سلام کردینا بھی جائز ہوگا، قرآن میں جگہ جگہ برائی کا بدلہ اچھائی سے دینے کا حکم ہے۔

ظاہر ہے لبنان جیسے ملک میں جہاں مسلمان اور عیسائیوں کا کثرت سے سامنا ہوتا ہے، ان کی رائے بڑی معنویت ہے۔ واللہ اعلم

دیگر فتاویٰ

شیخ فیصل مولوی کے ان کے علاوہ بھی بہت سے فتوے مشہور ہوئے، انھوں نے عید میلاد النبی ﷺ منانے کو مخصوص شرطوں کے ساتھ جائز قرار دیا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے ایک مسلمان کے لئے کلیسا کی مرمت کا کام جائز قرار دیا، مخصوص شرطوں کے ساتھ عورتوں کو ورزشی کھیلوں کی اجازت دی، جب تک دشمنوں نے شہداء کی لاشوں کا مثلہ نہ بنایا ہو عام کافروں اور اسرائیلی یہودیوں کی لاشوں کا مثلہ بنانے کو ناجائز قرار دیا، اگر شروعات ان کی طرف سے ہو تو ''معاملہ بالمثل'' کے اُصول پر اس کی اجازت دی؛ لیکن معاف کرنے کو بہتر قرار دیا تراویح کی بیس رکعات کو جماعت کے ساتھ راجح قرار دیا، خنثیٰ ہونے کو ایک بیماری قرار دیتے ہوئے ایک خواجہ سرا کو تبدیلیٔ جنس کی اجازت دی، اور دیگر صورتوں میں اس کو ناجائز قرار دیا، حالت جنگ کے علاوہ عام حالتوں میں دشمن کو یرغمال بنانا ان کے مطابق ناجائز ہے، مشہور سعودی مفتی وفقیہ شیخ عبداللہ جبرین (ت: ۲۰۰۱ء) نے جب لبنان کے اہل سنت کو لبنان اسرائیل جنگ میں شیعہ شبیہ رکھنے والی عسکری تنظیم حزب اللہ کا ساتھ دینے سے اپنے اس فتویٰ کی بنیاد پر بالواسطہ منع فرمایا کہ شیعوں کے ساتھ تعامل درست نہیں تو شیخ فیصل مولوی کی رگ حمیت پھڑک اُٹھی اور انھوں نے بڑے احترام کے ساتھ ان کے فتویٰ کی تردید کی اور لکھا ہے کہ شیعہ اثنا عشریہ امامیہ کی کھل کر کسی نے تکفیر نہیں کی، دوسرے یہ کہ حزب اللہ ایک مسلمان فریق کی حیثیت سے میدان جنگ میں دشمن کے سامنے ہے، دشمن شیعہ سنی میں فرق نہیں کرتا، اس لئے حزب اللہ کی مدد کرنا جائز ہے، انھوں نے لکھا :

سوال یہ نہیں کہ کیا شیعہ سنی جنگ میں شیعوں کی مدد کرنا جائز ہے، اگر سوال یہ ہوتا تو میرے نزدیک شیخ جبرین کا جواب صحیح تھا؛ لیکن یہاں تو مقابلہ اس دشمن سے ہے جس کے مقابلہ پر حماس ہے، اور دوسری مسلح جدوجہد کرنے والی تنظیمیں ہیں اور ان میں اکثر سنی ہیں، اس طرح اگر دشمن سے مقابلہ میں شیعہ ان کے ساتھ ہو جائیں تو کیا مضائقہ ہے، شیخ فیصل کے اس فتویٰ نے جہاں حزب اللہ کے تعاون کو جائز قرار دیا تھا وہیں موجودہ صورتحال کے

بارے میں ان کے قلم سے حزب اللہ کے ایک دوسرے چہرہ کا رُخ بھی دکھا دیا گیا تھا، آج شام میں اہل سنت پر قاتل بشار الاسد جوستم ڈھا رہا ہے، ایران کے علاوہ حزب اللہ بھی اس کی پشت پر ہے، ان حالات میں ان کا تعاون قابل غور ہے اور اس وقت تو اکثر علماءِ عرب حزب اللہ کے ساتھ عدم تعاون کو واجب قرار دے رہے ہیں، ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے اپنی سابقہ رائے سے رُجوع کرتے ہوئے سعودی عرب کے مفتی اعظم کی تائید کی ہے اور ''حزب اللہ'' کو ''حزب الشیطان'' قرار دیا ہے۔

شیخ فیصل کے فتاویٰ میں نصوص سے اعتناء کے ساتھ ساتھ مقاصد شریعت کا بھرپور لحاظ ملتا ہے اور دعوتی نقطۂ نظر سے جس رائے میں زیادہ فائدہ ہے، جہاں تک ممکن ہوتا وہ اس رائے کو اپناتے تھے، اسی لئے ان کو '' **فقيه الدعوة وحكيم الدعاة** '' کا خطاب ملا، انھوں نے ایک مرتبہ لکھا ہے کہ جس طرح مسلمان سے محبت کرنا ضروری ہے، کافر سے بھی محبت ہونی چاہئے اور اس کے بعد اس کی وضاحت اس طرح کی :

> **وإياک أن تفهم من ذلک أن حبک للمسلم کحبک لغير المسلم ، هناک فارق کبير ، فالمسلم إنما تحبه لإيمانه بالله ورسوله ، ولالتزامه بالعقيدة الصافية الصحيحة ، حتى وإن لم تلقه ولم تکن بينک وبينه مصلحة ، لأنک إنما تحبه لأجل الله الذى ربط الإيمان به بينکما ، حتى لو وقع بينک وبينه خلاف ، فليس ذلک بمزيل لمحبته من قلبک أبداً ، کما أنه لا يمکن أن يکون في قلبک حب لغير المسلم بسبب کفره ، فهذا أمر محال .**
>
> اس سے یہ نہ سمجھیں کہ ایک مسلمان سے محبت کرنے میں اور غیر مسلم سے محبت کرنے میں کوئی فرق نہیں، ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے، ایک مسلمان سے آپ اس لئے محبت کرتے ہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے، صاف اور صحیح عقیدہ کا پابند ہے، حتیٰ کہ آپ کی اس سے ملاقات نہ ہوئی ہو اور آپ کے اس کے درمیان کوئی غرض نہ ہو تو بھی آپ اس سے محبت کرتے ہیں ؛ چوں کہ آپ اس سے اس ایک اللہ کے لئے محبت کرتے ہیں، جس پر ایمان نے آپ دونوں کے درمیان ربط پیدا کیا ہے، حتیٰ کہ آپ کے اور اس کے درمیان اختلاف بھی پیدا ہو جائے تو یہ اختلاف آپ کے دل سے اس کی محبت کبھی ختم نہیں کرے گا، جس طرح یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ کے قلب میں کسی غیر مسلم کے لئے اس کے کفر کی وجہ سے محبت ہوگی، یہ ایک ناممکن بات ہے۔

آگے انھوں نے لکھا ہے کہ ایک محبت عقیدہ کی وجہ سے ہے، دوسری محبت فطری ہے، جو ''مداراۃ'' کے لئے ضروری ہے، جس کی ایک مسلمان کو اجازت اور ترغیب دی گئی ہے۔

حرفِ آخر

شیخ فیصل مولوی ایک ربانی عالم تھے، وہ نصوص پر گہری نظر رکھتے تے، زمانہ کے احوال سے باخبر تھے اور یہ دونوں باتیں ناکافی ہیں جب تک ''**فقه إنزال النص على الواقع**'' کتاب سنت کے دلائل کو حالات پر منطبق کرنے کی صلاحیت نہ ہو، اس لئے بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ آخری صلاحیت کسبی نہیں وہبی ہوتی ہے، شیخ فیصل میں یقیناً یہ تینوں صلاحیتیں موجود تھیں، وہ الاخوان المسلمون جیسی، سربلند اور فاتح اسلامی تحریک سے وابستہ رہے، اس لئے وہ صرف ایک شرعی قانون داں نہ تھے، داعیانہ صفات وکمالات سے موجزن تھے، ایک کامیاب واعظ اور خطیب بھی تھے، اس پر ''**الندوة العالمية للشباب الإسلامي** ''(Wami) نے آپ کو ''**أفضل واعظ**'' کا ایوارڈ دیا تھا، گذشتہ سال جب جماعت اسلامی لبنان نے ان پر بیروت میں سیمینار کیا تو عالم عرب کے علماء اور دعاۃ کے علاوہ صف اول کے قائدین نے بھی اس میں شریک ہوکر آپ کو خراجِ تحسین پیش کیا، یہ ان کی مقبولیت اور ہر حلقہ میں پذیرائی کا ثبوت ہے، لوگ ان کے نورانی چہرہ، ان کی وجاہت اور ان کے باوقار عمامہ کو آج تک یاد کرتے ہیں، علم وفکر کے ساتھ ان کو وقار وتمکنت کی دولت بھی ملی تھی، ہم نے ان کی تصویر دیکھی تو تحریر پڑھنے کا اشتیاق ہوا، تحریر پڑھی تو تقریر سننے کا داعیہ پیدا ہوا اور جو کچھ دیکھا اور پایا اس کا ایک عکس یہاں پیش کر پایا۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

○ ○ ○

الشفاء از: قاضی عیاضؒ — تعارف وتجزیہ

مولانا محمد علاء الدین ندوی ●

مصنف کے مختصر حالاتِ زندگی

مشہور محدث، فقیہ، قاضی، سیرت نگار ادیب وشاعر عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن محمد بن عبداللہ بن موسیٰ بن عیاض یحصبی، سبتی ۵؍شعبان ۴۷۶ھ مطابق ۲۸؍دسمبر ۱۰۸۳ء کو سبتہ (Ceuta) میں پیدا ہوئے اور اپنے وطن سے دور مراکش میں رجب ۵۴۴ھ مطابق دسمبر ۱۱۴۹ء میں وفات پائی، آپ نے براہ راست جن اہل علم وفضل اور مشائخ کبار سے استفادہ کیا اور مدتوں جن کی خدمت میں زانوے تلمذ تہہ کیا، ان کی تعداد دس بارہ سے کم نہیں، یہ اپنے وقت کے نامور اہل فن، باکمال ہستیاں، چیدہ علماء اور مشائخ علم وعمل تھے، ورنہ سچ تو یہ ہے کہ بقول مصنف 'ازہار الریاض' شارح 'الشفاء': اگر ہم قاضی عیاض کے شیوخ کا تذکرہ کرنے لگیں تو چند صفحات کافی نہ ہوں گے کہ ان کی تعداد لگ بھگ سو تک پہنچتی ہے، (۱) متعدد ایسے شیوخ بھی ہیں جن سے آپ نے براہ راست استفادہ تو نہیں کیا، مگر انھوں نے اجازت مرحمت فرمائی، ایک طویل مدت تک آپ اپنے شہر سبتہ میں قضاء کے منصب پر فائز رہے، اس دور میں آپ کی شخصیت، سیرت اور کارناموں کا خوب خوب شہرہ ہوا، پھر آپ کو سبتہ سے غرناطہ بلایا گیا اور وہاں بھی قضاء کا منصب سونپا گیا، جو زیادہ دنوں تک برقرار نہ رہ سکا۔

قاضی عیاض کے صاحبزادے ابوعبداللہ اپنے والد بزرگوار کے اوصاف وکمالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں :

> میرے والد کی پرورش بڑے صاف ستھرے اور پاکیزہ ماحول میں ہوئی تھی، وہ آسودہ حال تھے، قول وفعل کے پکے تھے، وہ شرافت، فہم ودانش اور قابلیت اور مہارت کے جوہر سے متصف تھے، علم کے بڑے خواہاں، حریص اور اس کے لئے کوشاں رہتے

● استاذ: دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

(۱) ازہار الریاض: ۳؍۱۰۷، ماخوذ از: مقدمۂ شفاء: ۱؍۱۳۔

تھے، علماء ومشائخ کی مجالس میں عزت ووقار کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، ان کے ساتھ کثرت سے نشست وبرخاست رکھتے تھے، قرآن کریم کے حافظ تھے، حسن قراءت وتجوید، تفسیر وحدیث اور علوم شریعت میں یدطولیٰ رکھتے تھے، اپنے زمانے کے نامور محدث تھے، اُصولی متکلم اور فقیہ تھے، ادب وزبان پہ گہری نظر تھی اور تاریخ گویا از بر، ظریف وملنسار، مرنجا مرنج، صابر وشاکر، حلیم وبردبار، خوش معاملہ، سخی وفیاض، محنت کے دھنی اور حق کے سپاہی تھے۔(۱)

علامہ ملاحیؒ فرماتے ہیں :

قاضی عیاضؒ علم کے دریا اور دین داری وحلم وبردباری کے پہاڑ تھے، قراءت سبعہ کے ماہر تھے، علم حدیث میں نمایاں مقام حاصل تھا، فکر ورائے کے پرچم اُٹھائے ہوئے تھے، اُصول وعلم وکلام کی سربراہی کررہے تھے، اسماء الرجال از بر تھا، علم ونحو میں مکمل دسترس حاصل تھا، انھوں نے زبان کے نوک پلک درست کئے، فقہاءعصر، علماء دوراں اور نامور ادباء کی سرپرستی فرمائی اور ان کے علوم وفنون کی پاسداری کی۔(۲)

علامہ مقریؒ فرماتے ہیں :

قاضی عیاض سنت کا بڑا اہتمام کرتے تھے، عالم باعمل تھے، اللہ سے ڈرنے والے اور عاجزی وزاری کرنے والے تھے، حق کا اعلان ڈنکے کی چوٹ پر کرتے تھے، اللہ کے معاملے میں کسی کی پرواہ نہ کرتے، ضبط احادیث کا بڑا اہتمام تھا، ان کی کتاب ''المشارق'' اس کی عمدہ دلیل ہے، وہ بڑے حاضر دماغ، بیدار مغز اور بلا کے ذہین تھے، مختلف علوم وفنون کے مواج سمندر میں قدم رکھا اور شناوری کا خوب خوب جوہر دکھایا، وہ بڑے خوش خط تھے، خط مغربی میں مہارت رکھتے تھے، بڑے دقیقہ سنج، نکتہ رس اور فکر رسا کے مالک تھے، ان کی تصنیفات ان کے کمالات کی دلیل ہیں۔

فقہ مالکی میں تو انھیں کمال تامہ اور یدطولیٰ حاصل تھا، ''المدونۃ الکبریٰ'' کے مشکل الفاظ کے حل، ان کے اعراب اور روایت ورواۃ کی تعیین میں انھیں پر اعتماد کیا گیا ہے۔(۳)

(۱) مقدمۂ شفاء:۱/۹۔

(۲) مقدمۂ شفاء:۱/۱۰۔

(۳) مقدمہ شفاء:۱/۱۱۔

تالیفات وتصنیفات

آپ کا شمار کثیر التصانیف اہل علم میں ہوتا ہے، صرف صحیح مسلم کی شرح آپ نے ۱۹ جلدوں میں فرمائی ہے، چند تصانیف حسبِ ذیل ہیں :

(۱) المستنبطة فی شرح کلمات مشکلة وألفاظ مغلطة مما وقع فی کتاب المدونة، اس کا دوسرا نام 'التنبیھات' بھی ہے۔

(۲) القنیة، آپ کے شیوخ کے حالات پر ہے۔

(۳) ترتیب المدارک وتقریب المسالک لمعرفة أعلام مذھب مالک .

(۴) الالماع فی ضبط الروایة وتقیید السماع .

(۵) إکمال المعلم فی شرح مسلم (۲۹ر جلدوں میں)۔

(۶) الإعلام بقواعد الإسلام .

(۷) بغیة الرائد کما تضمن حدیث أم زرع من الفوائد .

(۸) المقاصد الحسان فیما یلزم الانسان .

بعض کتابیں ان کی بیاض میں ملیں جو تشنۂ تکمیل رہیں :

(۹) نظم البرھان علی صحة جزم الأذان .

(۱۰) الفنون الستة فی أخبار سبتة .

(۱۱) غنیة الکاتب ، وبغیة الطالب فی الصدور والترسیل .

(۱۲) تاریخ المرابطین .

(۱۳) الجامع للتاریخ .

(۱۴) أجوبة القرطبیین .(۱)

الشفاء کی اہمیت

ان تصانیف میں سب سے مہتم بالشان اور شہرہ آفاق کتاب ''**الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ**'' ہے، جو سیرت کی چند مایہ ناز کتابوں میں سے ہے، یہ کتاب رسول اللہ ﷺ کے مناقب وفضائل اور آپ کے حقوق وفرائض پر مشتمل ہے، مصنف کے طرزِ تصنیف، ابواب وفصول کی تفصیل اور کثرت سے روایات وواقعات کے پیش کرنے

(۱) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: کشف الظنون: ۱/۴۹۹۔

انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب ان تمام گوشوں کو اپنی جلو میں سموئے ہوئے ہے، جو رسول اللہ ﷺ کے کمالات وفضائل اور شمائل وخصائل سے متعلق ہیں اور جن سے آپ ﷺ کی سیرت جلوہ گر ہوتی ہے۔

مصنف نے مشکوٰۃ نبوت کی لو کو جلوہ آرا کرنے کے لئے آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ پر انحصار کیا ہے، جو کچھ انھوں نے کہا ہے اس کے ثبوت وشواہد مفسرین، محدثین، فقہاء اور متکلمین کے آراء واقوال سے دے دیئے ہیں، اس کتاب میں انھوں نے علمی اور تحقیقی روش اپنائی ہے جو ان کے عصر کے لحاظ سے اگر بڑی نرالی نہیں تو کم یاب بات ضرور تھی، ہر موضوع کے لئے الگ الگ ابواب باندھے ہیں، پھر ان موضوعات کو مختلف عنوانوں میں تقسیم کیا ہے، ہر عنوان کے تحت وہ قرانی آیتیں، احادیث نبویہ، صحابہ اور تابعین کے اقوال پیش کرتے ہیں اور ہر بات سند کے ساتھ کہتے ہیں، علامہ مقریؒ ازہار الریاض میں فرماتے ہیں :

> مشرق سے لے کر مغرب تک اس کتاب کی دھوم مچ گئی، عوام وخواص، عرب وعجم سبھی اس پر وارفتہ ہیں، اس کتاب کو پیش کر کے مصنف نے اللہ کی قربت حاصل کر لی، اس کی خصوصیات ناقابل شمار ہیں، رسول اللہ ﷺ کے ظاہری جمال اور باطنی کمال کو نمایاں کرتے ہوئے، یا اعجاز قرآنی پہ گہرافشانی کرتے ہوئے مصنف کی شیریں بیانی، قلم کی روانی، زبان کی پختگی، ادب کی چاشنی اور شگفتہ تحریر کو پڑھ کر سوائے اس کے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ عطیۂ ربانی اور رحمت خداوندی ہے جو بادِ بہار بن کر ان کے چمن حیات پر چلی ہے۔(۱)

شیخ ابوالحسینؒ عبیداللہ احمد بن عبدالمجید الازدی الرُندی جو اپنے وقت کے بڑے عابد وزاہد تھے، فرماتے ہیں :

> ہم اللہ سے دُعا گو ہیں کہ وہ اس کتاب کے مصنف کو بہترین بدلہ عطا کرے، انھوں نے علم کے باوقار میدان میں قدم رکھا اور بہت آگے نکل گئے، انھوں نے زمانے کی گردن میں علوم ومعارف کی حسین لڑی پہنائی اور حقائق واسرار کی موتیاں لٹائیں، انھوں نے شفا کے جام سے ہر مومن صادق کے قلب ونگاہ کو مخمور کر دیا، ایک مسلمان جب ان کی کتاب کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کے انوار اس کے قلب و باطن کو منور کر دیتے ہیں اور جب وہ اس کے معارف وحقائق کے چمنستان میں محوخرام ہوتا ہے تو نسیم سحری کے جھونکوں کا کیف محسوس کرتا ہے اور اس کے ریاض دل کے گل وسوسن خندہ ہو اُٹھتے ہیں، مصنف کے اس کارہائے نمایاں کی توصیف وتقریظ بیان کرتے ہوئے کسی شاعر نے کہا ہے :

---

(۱) مقدمۂ کتاب: ۱/۳-۴۔

كتاب الشفاء شفاء القلوب　　قد ائتلفت شمس برهانه
اذا طالع المومن مضمونه　　رسا فى الهدى أصل ايمانه
ومال بروض التقى ناشقا　　روائح أزهار أفنانه

ترجمہ : کتاب شفاء امراض قلوب کے لئے باعث شفاء ہے، اس کی دلیل و برہان کا سورج درخشندہ ہے، جب مسلمان اس کے مضامین کا مطالعہ کرتا ہے تو ارض ہدایت میں اس کے شجر ایمان کی جڑیں مضبوط ہوتی چلی جاتی ہیں، وہ اس کے مطالعہ سے گویا باغ تقویٰ میں چہل قدمی کرتا ہے جس کے گلہائے رنگا رنگ کی خوشبوؤں سے وہ معطر ہوتا ہے۔(۱)

شیخ حافظ امام ابوعبداللہ محمد بن سعد تلمسانیؒ فرماتے ہیں :

قاضی ابوالفضل کی تالیفات اس بات کی دلیل ہیں کہ خدا کی بارگاہ میں ان کا بڑا رتبہ ہے، مشرق سے لے کر مغرب تک مسلمانوں کو ان کی تصانیف سے استفادہ کرتے ہوئے جو بھی دیکھے گا تو وہ یہی کہے گا کہ یہ خدا سے قربت اور ولایت کے اسرار ہیں، ان کی یہ کتاب (شفاء) جبین حسن پر دمکتے ہوئے لعل اور ارمغان سعادت ہے، اس کی تعریف میں کسی باکمال نے کہا ہے :

أنس الوحيد وديمة الأنداء　　ونسيم عرف الروضة الغناء

وہ تنہائیوں کا انیس و ہمدم ہے، وہ بارش کی ہلکی ہلکی پھوار ہے، اور بلندیوں میں میں واقع گھنے باغات سے آتی ہوئی بادصبا کی مشک باری ہے۔(۲)

ملاعلی قاریؒ رقمطراز ہیں :

کتاب شفاء در شمائل وخصائل مصطفیٰ جامع ترین تصنیف ہے، جس میں اجمالاً موضوع کا حق ادا کر دیا گیا ہے، یہ بلند پایہ تصنیف مسلمانوں کے ہر طبقہ میں مقبول اور پسندیدہ رہی ہے۔(۳)

مرزا محمد باقر موسویؒ المولود ۱۲۲٦ھ لکھتے ہیں :

ہمارے اصحاب یعنی فرقہ امامیہ کے لوگوں نے بھی اس کے بکثرت اقتباسات نقل کئے ہیں، درحقیقت اس میں بے شمار فوائد، بلند تحقیقات اور رسول اللہ ﷺ کی ولادت

---

(۱) مقدمۂ کتاب: ۱/۴۔　(۲) مقدمۂ کتاب: ۱/۵۔　(۳) مقدمہ کتاب: ۱/۵۔

سے وفات تک کے حالات وواقعات کے متعلق حدیثیں شامل ہیں، مصنف نے اس میں اکابر شیوخ سے روایتیں نقل کی ہیں۔(۱)

علامہ سید سلیمان ندویؒ اس کی خصوصیت واہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

وہ کتابیں جو آنحضرت ﷺ کے صرف اخلاق وعادات اور فضائل ومعمولات زندگی پر لکھی گئی ہیں، ان میں سب سی پہلی اور سب سے مشہور کتاب امام ترمذیؒ (المتوفی: ۲۷۹ھ) کی کتاب الشمائل ہے، جس کی بڑے بڑے علماء نے بیسیوں شرحیں لکھی ہیں اور سب سے ضخیم اور بڑی کتاب اس فن کی ''کتاب الشفاء فی حقوق المصطفیٰ'' قاضی عیاض کی ہے اور اس کی شرح نسیم الریاض شہاب خفاجی کی (۲)—— رسول اللہ ﷺ کے اخلاق طاہرہ اور اوصاف عالیہ اور آداب فاضلہ کے بیان وتفصیل سے احادیث کی تمام کتابیں معمور ہیں، خصوصیت کے ساتھ عیاض اندلسی کی کتاب الشفاء اس پہلو سے بہترین کتاب ہے، ایک یورپین مستشرق نے فرانس میں مجھ سے کہا تھا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے اصلی محاسن سے واقف کرانے کے لئے یہ کافی ہے کہ قاضی عیاض کی شفاء کا یورپین زبان میں ترجمہ کردیا جائے۔(۳)

شروحات

اس کتاب کی مختلف شروحات لکھی گئی ہیں :

(۱) نسیم الریاض فی شرح الشفا للقاضی عیاض، از: علامہ شہاب الدین احمد بن محمد الخفاجی المصری، جو چار جلدوں میں قاہرہ اور استنبول میں چھپ چکی ہے۔

(۲) شرح الملاعلی قاری، از: علی بن محمد سلطان البردی الحنفی المعروف بالقاری، یہ دو بڑی جلدوں میں آستانہ اور بولاق میں چھپی ہے۔

(۳) المدد الفیاض، از: شیخ حسن العدوی الحمزاوی، یہ دو جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

(۴) المنہل الاصفی فی شرح ماتمس الحاجۃ الیہ من ألفاظ الشفاء، از: عبداللہ محمد بن شریف الحسنی التلمسانی۔

(۵) الاصطفاء لبیان معانی الشفاء، از: شیخ شمس الدین محمد بن محمد الدلجی الشافعی۔

---

(۱) روضات الجنات ۵۱۶، بحوالہ کاروان ادب: ۸۳ جنوری-مارچ ۱۹۹۵ء۔

(۲) خطباتِ مدراس: ۹۴۔ (۳) خطباتِ مدراس: ۱۰۶۔

(۶) مزیل الخفاأ لفاظ الشفاء، از: علامہ تقی الدین احمد بن محمد الشمنی التمیمی (مخطوطہ)۔

(۷) المقتفی فی حل ألفاظ الشفاء، از: علامہ برہان الدین ابراہیم الحلبی (مخطوطہ)۔

(۸) مناہل الصفا فی تخریج أحادیث الشفاء، از: علامہ جلال الدین سیوطی، یہ شرح نہیں؛ بلکہ شفاء کی احادیث کی تخریج ہے، جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے، اس پر شیخ تقی الدین ابوالعباس احمد بن محمد الشمنی کا حاشیہ ہے۔

اس کتاب کی اہمیت اور اس کی عظمت کا اندازہ ان بکثرت پائے جانے والے مخطوطہ نسخوں سے ہوتا ہے جو دنیا کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں، صرف ازہر کی لائبریری میں اس کے ۴۹ اور دار الکتب کی لائبریری میں ۴۲ خطی نسخے موجود ہیں۔(۱)

شفا کے منظر عام پر آنے کا محرک

شفاء کے مقدمہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ قاضی عیاض نے کسی سائل کے اصرار یا لوگوں کے عمومی تقاضے پر یہ کتاب تصنیف فرمائی ہے، ان کا مقدمہ ہر چند کہ مسجع ومقفع اُسلوب میں ہے اور یہ اس عہد کے اُسلوب کی غمازی کرتا ہے، جب زبان میں صنعت وتکلف کی گرم بازاری شروع ہوگئی تھی، تاہم مصنف کا مقدمہ از دل خیزد بردل ریزد کا مصداق ہے، ان کی زبان کی تاثیر اور محبت رسول ﷺ کی مشک باری ہر پڑھنے والا محسوس کرے گا، ہم وقت کی تنگی کے باعث صرف اس حصے کا ترجمہ پیش کرتے ہیں، جس سے اس محرک کا اندازہ ہوتا ہے، جس نے مصنف سے عشق ووارفتگی میں ڈوبی ہوئی ایسی محبت شناس کتاب لکھوائی، فرماتے ہیں :

> تم نے بارہا سوال اور اصرار کیا کہ ایک ایسی کتاب منظر عام پر آنی چاہئے جو فضائل اور شمائل نبویہ پر مشتمل ہو، اس میں یہ بتایا گیا ہو کہ آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر کے احکام کیا ہیں، آپ کی جلالت شان اور سیرت مبارکہ پر کیڑے نکالنے یا گستاخی کرنے والوں کے بارے میں شریعت کا حکم کیا ہے؟ یہ ساری باتیں قرآن اور سنت، سلف صالحین اور ائمہ اُمت کے اقوال وآراء کی روشنی میں پیش کی جائیں؛ تاکہ ہر طرح کے اشکالات رفع ہوجائیں اور عظمت وحقوق مصطفیٰ کی تصویر ہو بہو ہویدا ہوجائے۔
>
> خدا تمہیں عزت وسرفرازی بخشے تم نے مجھ پر عظیم ذمہ داری عائد کردی ہے، یہ مطالبہ کرکے تم نے مجھ کو سخت ذہنی کشاکش میں مبتلا کردیا ہے، تم نے میرے قدم

---

(۱) ملاحظہ ہو: کشف الظنون: ۱/۴۹۹-۵۰۰، نیز مقدمۂ شفاء: ۱/۶۔

دشوار گذار راہوں میں ڈال دیئے ہیں، تمہاری اس خواہش اور مطالبہ کے سنتے ہی میرا دل ہیبت زدہ ہوگیا؛ کیوں کہ تصنیف ایسے اُمور کا متقاضی ہے کہ ہر بات اُصول کی روشنی میں کہی جائے اور ابواب وفصول کے انداز میں ترتیب دی جائے، حقائق علمیہ کے سمندر میں غواصی کی جائے، غموض وابہام اور شکوک وشبہات کا پردہ چاک کیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ حقوق مصطفیٰ کیا ہیں؟ اس مسیحائے انسانیت کی شان میں کن اُمور کا انتساب ضروری یا جائز یا ناجائز ہے، نبی، رسول، رسالت، نبوت، محبت، خلت اور ان کے خصائص اور فرق مراتب کو سمجھایا جائے؛ لیکن یہ وہ بیابان لامتناہی ہے جس میں قطا جیسا ذہین وہشیار پرندہ بھی راستہ بھٹک جاتا ہے، اس ریگستان میں سفر کرتے ہوئے ماہر تجربہ کار صحرانشیں بھی پیچ وتاب کھاتا ہے، یہ وہ راہ پرخطر ہے جس میں خردمندان زمانہ بھی لغزش کھائے بغیر نہیں رہتے، اگر ان کے ساتھ گہرا علم، پختہ فکر اور بصیرت کی شمع فروزاں نہ ہو اور یہ وہ شاہراہ ہے کہ اگر توفیق الٰہی یاوری نہ کرے تو بھٹک جانا بہت آسان ہے۔

لیکن جب میں نے اپنے لئے اور تمہارے لئے اس 'سوال وجواب' میں اس اجر وثواب پہ نظر ڈالی جو آپ کی عظمت کے بیان، شخصیت کے تعارف وتوصیف، آپ کے اخلاق کریمانہ اور اوصاف وکمالات کے اظہار میں اللہ نے فرمائی ہے اور یہ اوصاف وکمالات آپ کی ذات گرامی کے سوا کبھی کسی دوسرے انسان میں دیکھے نہ گئے، پھر یہ کہ آپ کے حقوق کی بجا آوری جو ہر حق سے بڑھ کر ہے، جو تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے اور ان ہی مناقب اور محاسن کو دیکھ کر صداقت نبوت پر اہل کتاب کا یقین واعتماد پختہ ہوتا ہے اور اہل ایمان کا ایمان جلا پاتا ہے، علاوہ ازیں خدا نے عہد ومیثاق لے کر رکھا ہے کہ وہ حکمت ودانائیوں کی تبلیغ وتوضیح کریں گے اور کتمان علم کے مرتکب نہ ہوں گے، جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی سے کوئی علم دریافت، پھر اس نے کتمان علم سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ قیامت میں اسے آگ کا لگام پہنائے گا، (۱) تو میں میں نے تمہاری اس دعوت پر لبیک کہا اور سیرت مصطفیٰ کے حقوق وفرائض بیان کرنے اور نکات ولطائف سے

(۱) سنن ترمذی: ۲۹/۵، سنن ابی داود: ۸۲/۲۔

پردہ اُٹھانے اورحتی الوسع اس کا حق ادا کرنے کا تہیہ کرلیا اور انتہائی عجلت میں یہ کتاب مرتب کرڈالی؛ کیوں کہ ہرانسان کے ساتھ جسم و جان اور اہل وعیال کی مشغولیتیں لگی ہوئی ہیں، ذمہ داریاں بھی اس پرآن پڑتی ہیں، جو ابتلاء وآزمائش کے سوا کچھ نہیں ہوتیں۔(۱)

الشفاء کا تعارف

الشفاء کا جونسخہ میرے پیش نظر ہے وہ ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۹۸۴ء بیروت کا چھپا ہوا ہے اور دو جلدوں پر مشتمل ہے، یہ ایک محقق نسخہ ہے جس کی تحقیق علی محمد بجاوی نے کی ہے، اس کے کل صفحات ۱۱۱۶ ہیں، مگر پرانا مطبوعہ نسخہ ایک ہی جلد میں چھپا ہے، اس کے کل صفحات تقریباً ۵۰۰ ہیں۔

مصنف نے اپنی کتاب کو چار حصوں، بارہ ابواب اور ایک سو بیالیس فصلوں پر تقسیم کیا ہے، اپنی کتاب کے تیسرے حصے کو جو عصمت انبیاء پہ دقیق علمی مباحث پر مشتمل ہے پوری کتاب کا لب لباب اور نچوڑ قرار دیا ہے؛ جب کہ حصہ اول اور دوم اور ان کے ابواب وفصول کو تمہید اور اُصول قرار دیا ہے اور مابعد کے مباحث کے لئے فیصلہ کن دلائل وبراہین خیال کیا ہے۔

۱۹۸۶ء میں راقم نے خود اس شہرۂ آفاق کتاب کی تلخیص، تنقیح اور ترجمانی کا کام انجام دیا ہے جو ہنوز زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکی ہے، اس نے اس کو چار کے بجائے پانچ حصوں میں اور ۱۲ کے بجائے ۱۵ ابواب میں تقسیم کردیا ہے، مصنف نے صرف فصل قائم کرکے اپنے حاصل مطالعہ، اپنے علمی نکات، اپنے سوز و درد اور عشق ووارفتگی کو زندہ اُسلوب اور توانا تحریر میں پیش کیا ہے، مگر راقم مترجم نے فصل کی جگہ فحوائے کلام کی روشنی میں جلی سرخیاں اور ذیلی عناوین قائم کردیئے ہیں، کتاب کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوسکے اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے چنیدہ موضوعات کی ایک جھلک پیش کردی جائے۔

حصہ اول

باب اول : رسالت مآب ﷺ کی مدح وستائش اور محاسن وفضائل کا ذکر، اس باب میں دس ذیلی عناوین ہیں، مثلاً: (۱) فخر شرافت ونازش رحمت، (۲) مشکوٰۃ نبوت ہر جہاں میں ضوفگن ہے۔

باب دوم : ظاہری وباطنی کمالات، اس باب کے تحت ۲۷ ذیلی عنوانات ہیں، مثلاً ظاہری وباطنی کمالات، رسول اللہ کی جامعیت وکاملیت، اخلاق کا سرچشمہ، انبیاء کے ظاہر کمالات۔

---

(۱) مقدمۂ شفاء، ازمؤلف: ۱/۴-۵۔

بابِ سوم : دونوں جہاں میں آپ کی فضیلت، اس باب کے تحت ۲۰ ذیلی عناوین قائم کئے گئے ہیں مثلاً: اُمی لقب کا کوئی مماثل نہیں، اسراو معراج، آخرت میں آپ کی فضیلت، لیس کمثله شئ۔

حصہ دوم

باب اول : معجزات پہ چند بحثیں: اس باب کے تحت ۱۸ عناوین قائم ہوئے ہیں، مثلاً: دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی، قرآن کریم کے اعجاز کے چند پہلو، اعجاز کے دیگر وجوہ۔

باب دوم : معجزات رسول کی چند مثالیں اس باب میں ۱۸ عناوین پر گفتگو ہوئی ہے۔

بابِ سوم : معجزات کی چند دوسری شکلیں، اس کے تحت ۱۲ عناوین قائم کر کے معجزات کی وہ شکلیں دکھائی گئی ہیں، جن کی طرف لوگوں کا ذہن عموماً نہیں جاتا، مثلاً: حساب، خط وتحری، غیر عربی زبانوں سے واقفیت وغیرہ۔

حصہ سوم

باب اول : ایمان بالرسول، اس باب کے تحت ۱۲ عناوین قائم کر کے اطاعت رسول، محبت رسول پہ سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

باب دوم : ادب گہ مصطفیٰ، اس باب میں ٦ عناوین کے تحت تعظیم وتوقیر رسول پہ فاضلانہ، مشفقانہ اور عاشقانہ گفتگو ہوئی ہے۔

بابِ سوم : درود وسلام کی فرضیت، اس ضمن میں ۱۲ عناوین قائم ہوء ہیں اور درود وسلام کی فضیلت کے علاوہ روضہ اطہر کی زیارت، مسجد نبوی اور خانۂ کعبہ کے فضائل پہ قلم کی جولانی اور موج عشق ومستی کی طغیانی دکھائی گئی ہے۔

حصہ چہارم

باب اول : آپ پیکر خاکی میں یکتا تھے، کتاب کی معرکۃ الآراء بحث اسی حصہ میں آئی ہے، اس باب کے تحت ۱۷ ذیلی عناوین ملیں گے، مثلاً: عصمت انبیاء قبل از نبوت، عصمت نبی اقوال وافعال میں، حدیث سہو کی توجیہ۔

باب دوم : اقوال واعمال میں سہو ونسیان کا حکم، اس کے تحت ٦ عناوین ملیں گے۔

بابِ سوم : انسانی عوارض انبیاء پر بھی لاحق ہوتے ہیں، مثلاً: نبی پر جادو کا اثر، تعریض وتوریہ، انبیاء کو امراض میں مبتلا کرنے کی حکمت۔

حصہ پنجم

باب اول : رسالت مآب کی شان میں گستاخی کرنے والوں کا حکم، اس کے تحت ۹ عناوین پر سیر حاصل بحث ملے گی۔

باب دوم : شاتم رسول کے احکامات، اس کے تحت ۶ عناوین نظر آئیں گے۔

باب سوم : اس کے تحت ۸ عناوین قائم ہوئے ہیں۔

کتاب سے چند شاہکار نمونے

ظاہری و باطنی کمالات : قوائے نفس کو ضبط و اعتدال کی راہ پر لگایا جائے اور انحراف و کجروی سے بچایا جائے تو حسن اخلاق کی جلوہ گری ہوتی ہے، صاحب خلق قرآن کے اخلاقِ حسنہ اعتدال و کمال کے اسی نہج پر استوار ہوئے تھے، اسی لئے آپ کی توصیف میں فرمایا گیا "**إنک لعلی خلق عظیم** "اخلاق فاضلہ اور کمالات عالیہ جبلی اور پیدائش طور پر ودیعت ہوتے ہیں، لطف الٰہی اور عنایت ربانی ان کی (ہمہ وقت) دست گیر ہوتی ہے، قاضی عیاض اخلاق کے ظاہری و باطنی کمالات پر اپنی محققانہ گفتگو میں فرماتے ہیں :

> اللہ نے آپ کو ظاہری جمال، باطنی کمال اور دینی اور دنیاوی خوبیوں سے بدرجہ اتم سرفراز فرمایا تھا؛ لہٰذا رسول کائنات سے عشق و محبت رکھنے والوں اور آپ کے جملہ صفات و کمالات کی تابش سے زندگی کو سنوارنے والوں کو جاننا چاہئے کہ انسانوں میں عظمت و کمال دو طرح کے ہوتے ہیں۔
>
> ایک دنیوی یا ضروری کمال جو انسانی فطرت اور ضروریات زندگی کا ناگزیر حصہ ہے، دوسرا دینی یا کسبی کمال جس سے اگر کوئی شخص متصف ہوتا ہے تو لائق ستائش اور باعث عز و شرف سمجھا جاتا ہے اور خدا کی قربت اور اجر و ثواب کا مستحق بن جاتا ہے۔
>
> ایک اور حیثیت سے دیکھئے تو عظمت و کمال کی ان دو قسموں کی دو شکلیں سامنے آتی ہیں، (۱) بعض لوگوں کے اندر صرف پہلی ایک خصوصیت پائی جاتی ہے، (۲) اور بعض لوگوں میں دونوں خصوصیتیں دیکھی جاتی ہیں۔
>
> جن خصوصیات کا تعلق خالص دنیاوی تقاضوں سے ہے ان میں انسان کے اختیار و اکتساب کو کوئی دخل نہیں ہوتا، تو یہ فطری اور پیدائشی ہوتے ہیں، مثلاً کمال خلقت، ظاہری حسن و جمال، وفور عقل، فہم و فراست، فصاحت زبان، علو نسب، جسمانی طاقت، معاملات میں اعتدال و توازن، قوت حواس، قومی عز و شوکت اور وطنی محبت، اسی دنیاوی خصوصیت کے ضمن میں زندگی کے وہ ضروری تقاضے شامل ہیں، جو کھانے پینے، سونے جاگنے، کپڑا مکان، شادی بیاہ اور مال و جاہ سے تعلق رکھتے ہیں؛

البتہ یہ ضروری لوازمات کبھی کبھی اُخروی بن جاتے ہیں ، بشرطیکہ کے ان اُمور کو استعمال کرتے ہوئے تقویٰ وللّٰہیت پیش نظر ہواور آخرت کی راہ پر چلتے ہوئے جسم وجان کی حفاظت مقصود ہو ،ضروریات کے حدود کی رعایت اور شریعت مطہرہ کے بتائے ہوئے اُصولوں کی پابندی میں کی گئی ہو۔

رہی وہ خصوصیات جو کسبی ہیں اور جن کا تعلق آخرت کی زندگی سے ہے تو اس ضمن میں وہ سارے عمدہ اخلاق اور شریعت مطہرہ کے احکام آجاتے ہیں ،جنھیں مذہب عطا کرتا ہے ،مثلاً معاش ومعاد کا علم ،حلم و بردباری ،صبر وضبط ،شکر وامتنان ، عدل وانصاف ،زہد وورع ،تواضع وانکساری ،عفوودرگزر ،عفت وپاکدامنی ، جودوسخا ،شجاعت وبہادری ،شرم وحیا ،مروت وانسانیت ،سکون واطمینان ،تدبر وتفکر ، وقار ومتانت ،رحم وکرم ،حسن معاشرت وراست بازی ،اوران سب خصوصیات کے مجموعے کا نام ہے حسن اخلاق۔(۱)

رسول اللہ ﷺ کی کاملیت

’’کمال و جمال کی جن خصوصیات کا ذکر ابھی اوپر گذرا اگر ہم میں کوئی شخص ان میں سے ایک یا دو خصوصیات کا مالک ہوتو ایسا شخص قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ،اس کی شہرت کا ڈنکا بج جاتا ہے ،اس کی مثالیں دی جاتی ہیں ،لوگوں کے دلوں میں اس کی عظمت وبڑائی کا نقش قائم ہوجاتا ہے اور یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے ، صدیوں سے یہی ہوتا چلا آرہا ہے ؛ لیکن آپ کیا کہیں گے اس عظیم انسان کی بابت جس کی شخصیت ان سارے اوصاف اور خصوصیات کا گنجینہ ہے ،جس کی شان نرالی ہے ،جس کے فضائل بے شمار ہیں ،جس کے ظاہری اور باطنی کمالات حد شمار سے باہر ہیں ، جو کسب ،محنت اور تدبیروں سے حاصل نہیں ہوئے ہیں ؛ بلکہ خدائے بزرگ وبرتر کی خصوصی نوازش کی رہین منت ہیں ، چند نوازشات الٰہی کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

آپ کو نبوت ورسالت ،خلت ومحبت ،اصطفاء وبرگزیدگی ،اسراء ومعراج ،رویت جبرئیل اور آیاتِ الٰہیہ کے دیدار سے نوازا گیا ،آپ کو قربت ومحبوبیت ، وحی والہام ، شفاعت وتوسل ،فضیلت و بزرگی ، رتبۂ عالی ومقام محمود اور براق کی سواری عطا کی ،آپ کو ختم رسالت کا خلعت بخشا گیا ،آپ کو تمام انبیاء کا امام بنی نوع انسان کا پیشوا اور حق کا گواہ بنایا گیا ،آپ کو حمد باری کا جھنڈا دیا گیا ،آپ کو بشیر ونذیر ،امین وہادی اور رحمت للعالمین بنا کر بھیجا گیا ،اللہ نے

(۱) الشفاء:۱/۷۷-۷۸۔

آپ کو اپنی محبوبیت کا مژدہ سنایا، آپ کو شفیع الامم بنایا، آپ کو کوثر کی دولت عطا کی گئی، آپ پر نعمتوں کی تکمیل ہوئی، آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہوئے، سینہ مبارک چاک کیا گیا، آپ سے بوجھ کو ہٹایا گیا، آپ کا آوازہ بلند کیا گیا اور فتح ونصرت کی خوشخبری سنائی گئی، آپ پر سکینتوں کا نزول ہوا، آپ کی تائید ونصرت کے لئے ملائکہ آئے، آپ کو کتاب حکمت، سبع مثانی (سورۂ فاتحہ) اور قرآن عظیم ملا، آپ کے نام کی قسم کھائی گئی، آپ کو مستجاب الدعوات بنایا گیا، آپ نے جمادات وحیوانات سے گفتگو کی، آپ کے لئے مردوں کو جلایا گیا اور بہروں کو سنایا گیا، آپ کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ رواں ہوگیا، آپ نے چاند کے ٹکڑے فرمائے اور سورج کو آپ کے لئے لوٹایا گیا، رعب ودبدبہ سے آپ کی مدد کی گئی، آپ کو غیب کی خبر دی گئی، آپ کے لئے بادل کے ٹکڑے کو سایہ دار چھتری بنادیا گیا، درختوں اور پتھروں نے آپ کی تسبیح خوانی کی، امراض وآلام سے آپ کو شفا بخشا گیا، آپ کو دشمنوں کے قاتلانہ تدبیروں سے محفوظ رکھا گیا اور ان ہی جیسی بے شمار خصوصیات سے آپ کی شخصیت کے مہ درخشاں کو چار چاند لگایا گیا، جو احاطہ قرطاس سے باہر ہیں، ہاں صرف ان نوازشوں کا ابر نیساں برسانے والا ہی ان کا احاطہ کرسکتا ہے۔(۱)

افضل کون حبیب یا خلیل

حضور اکرم ﷺ کی فضیلت بحیثیت حبیب اللہ اور خلیل اللہ مسلم ہے، اس کی تائید متعدد روایات سے ہوئی ہیں، مگر مسلمانوں میں عام طور سے اس بات کو شہرت حاصل ہوگئی ہے کہ آپ ﷺ حبیب خدا ہیں اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ، قاضی عیاض بتاتے ہیں کہ محبت میں غرض وابستہ ہوتی ہے؛ جب کہ خلت ہر غرض سے بیگانہ ہوتی ہے، پھر اپنی نکتہ رسی اور بصیرت افروزی سے ثابت کرتے ہیں کہ محبت کا مرتبہ خلت کے مقام سے بڑھا ہوا ہے فرماتے ہیں :

علماء اور اہل دین کا اس امر میں اختلاف ہے کہ کس کی شان زیادہ ارفع واعلیٰ ہے، حبیب کی یا خلیل کی؟ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ دونوں برابر ہیں، جو حبیب ہوگا وہ یقیناً خلیل ہوگا اور خلیل کی شان حبیب کی شان سے بلند تر ہے؛ کیوں کہ آپ نے حضرت ابوبکر کے لئے خلیل کا لفظ اور اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اور ان کے دونوں فرزند حسن وحسین اور اسامہ کے لئے محبت کا لفظاً استعمال فرمایا، بعضوں کا خیال بالکل اس کے برعکس ہے یعنی حبیب کا مقام خلیل سے بلند تر ہے کہ آنحضرت ﷺ حبیب خدا اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور یہ بات مسلم ہے کہ سید الثقلین کی فضیلت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بڑھی ہوئی ہے۔

محبت کی حقیقت یہ ہے کہ طبیعت کا میلان عاشق کی خواہش ومنشا کے موافق ہو؛ لیکن یہ بات اس شخص کے حق میں صحیح ہوسکتی ہے جس سے طبیعت کے میلانات صادر ہوتے ہیں، تو اُفق ہم آہنگی کی وجہ سے انتفاع کی توقع ہو،

(۱) الشفاء:۱/۷۹-۸۱۔

یہ درجہ مخلوق کے لئے ہے؛ البتہ خالق کے حق میں یہ بات درست نہ ہوگی؛ کیوں کہ وہ اغراض وخواہشات سے مبرا ومنزہ ہے؛ لہٰذا بندے کے لئے محبت کا یہ مطلب ہوگا کہ اسے سعادت وکامرانی بخشے، اسے گناہوں سے محفوظ رکھے، اسے محبت الٰہی اور طاعت ربانی کی توفیق دے، اس کے لئے قربت کے اسباب مہیا کرائے، اس پر اپنی رحمت ونعمت کی باد باراں نازل کرے اور آخر میں اس کے دل کے حجابات دور کردے؛ تاکہ وہ خدا کی نشانیوں کا مشاہدہ کرسکے اور اپنی نگاہ بصیرت سے اس کے جلال وجمال جہاں آرا کا نظارہ کرے، اس وقت اس کا وہی حال ہوگا جس کے لئے حدیث قدسی میں فرمایا گیا ہے: جب میں اسے چاہنے لگتا ہوں تو اس کا کان ہوجاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے، اس کی نگاہ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کی زبان ہوجاتا ہوں جس سے وہ گفتگو کرتا ہے۔

یہ بات اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتی جب تک بندہ اپنے شعور واحساس اور اعمال وحرکات کو خواہشات سے پاک کرکے خدا کی راہ پر نہ لگادے، دل کی ہر دھڑکن اسی کے لئے دھڑکے، جسم وبدن کی ہر حرکت اسی کی عبادت کے لئے وقف ہو، جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ کی عبادت کے بارے میں فرمایا: آپ ﷺ کے اخلاق سراپا قرآن کا مظہر تھے، خدا کی مرضی پہ راضی بہ رضا رہتے اور خدا کی ناراضگی پہ ناراض ہوجاتے تھے۔

اس تفصیل کے بعد دیکھئے تو خلیل کے امتیازی اوصاف اور حبیب کی گرامی قدر خصوصیات ہمارے نبی ﷺ کے اندر موجود تھیں، اس کی دلیل وہ بے شمار صحیح روایات ہیں جو شائع وذائع ہیں اور آپ کی اُمت کے اندر معمول بہ ومقبول عام ہیں، آپ ﷺ کی جلالت شان کی صداقت کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہی کافی ہے :

قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله ویغفر لکم ذنوبکم .

آپ ﷺ فرمادیجئے کہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میری اتباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کردیں گے۔

بعض متکلمین نے حبیب اور خلیل کے فرق کو واضح کرتے ہوئے نہایت لطیف اور خیال آفریں نکتہ رسی دکھائی ہے اور محبوب کی فضیلت خلیل پر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، لطیف نکتہ سنجی ملاحظہ ہو!

(۱) خلیل کو بالواسطہ وصال مولی نصیب ہوتا ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''وَكَذَٰلِكَ نُرِیْ إِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْن ''اور ہم نے ایسے ہی طور پر ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات دکھلائیں؛ تاکہ وہ عارف ہوجائیں اور کامل یقین کرنے والوں میں سے ہوجائیں (الانعام: ۷۵)، جب کہ حبیب کو براہ راست اور بلا واسطہ ہی وصال مولی نصیب ہوجاتا ہے، ارشاد فرمایا: ''فکان قاب قوسین أو أدنی''۔

(۲) خلیل کو اپنی بخشائش کی اُمید توقع کی حد تک ہوتی ہے فرمایا: ''وَالَّذِیْ أَطْمَعُ أَن يَغْفِرَ لِیْ خَطِيْئَتِیْ يَوْمَ الدِّيْنِ ''اور جس سے مجھ کو یہ اُمید ہے کہ میری غلط کاری کو قیامت کے روز معاف کردے گا، (الشعراء: ۸۲) جب

حبیب کی مغفرت یقین کی حد تک پہنچی ہوئی ہوتی ہے؛اس کا مژدہ بھی پہلے سے سنا دیا جاتا ہے،فرمایا:''**لیغفر اللہ لک ما تقدم من ذنبک وماتأخر**'' تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے۔

(۳) خلیل اپنی رسوائی سے بچنے کے لئے خدا سے دُعاء مانگتا ہے:''**وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ**'' اور جس روز سب زندہ ہوکر اُٹھیں گے اس روز مجھ کو رسوا نہ کرنا، (الشعراء:۸۷)...... جب کہ حبیب کو دست دُعاء دراز کرنے سے پہلے ہر رسوائی سے بچانے کی نوید سنائی دی جاتی ہے:''**یوم لا یخزی اللہ النبی**''جس دن اللہ تعالیٰ نبی کو رسوا نہ کرے گا۔

(۴) خلیل ابتلاء وآزمائش میں ڈالا جاتا ہے،تو خدا کی نصرت وحفاظت پہ بھروسہ کرتا ہے،**حسبی اللہ**، آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے خدا کافی ہے، (الزمر:۳۸) جب کہ حبیب کو خدا تعالیٰ کی حفاظت ونصرت کا پروانہ بن مانگے مل جاتا ہے''**یا ایھا النبی حسبک اللہ**'' اے نبی آپ کے لئے اللہ کافی ہے۔

(۵) خلیل آئندہ نسل میں اپنے ذکر (نام) کو باقی رکھنے کے لئے خدا سے دُعا گو ہوتا ہے:''**اجعل لی لسان صدق فی الآخرین**'' اور میرا ذکر آئندہ آنے والوں میں جاری رکھ...... جب کہ حبیب کو بغیر دُعا ہی کہ یہ نوید سنادی جاتی ہے:''**ورفعنا لک ذکرک**'' اور ہم نے آپ کے ذکر کا آوازہ بلند کیا۔

(۶) خلیل اپنے فرزندوں کے حق میں شرک سے بچائے جانے کی دُعاء مانگتا:''**واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام**'' مجھ کو اور میرے خاص فرزندوں کو بتوں کی عبادت سے بچایئے؛ جب کہ حبیب کو یہ طرۂ امتیاز اور فضیلت بغیر دُعاء ہی کے حاصل ہوتی ہے:''**انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیر**'' اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اے گھر والوں تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو ہر طرح ظاہراً وباطناً پاک صاف رکھے۔

یہ عارفین باللہ اور اہل قلوب کی باتیں ہیں جو ان کے آئینہ دل پر جلوہ نما ہوئی ہیں،حقیقت کا علم صرف اللہ کو ہے۔(۱)

معجزات کی قسمیں

قاضی عیاض معجزات کی بحث میں اپنے قلم کی جولانی اور دلائل و براہین کی فراوانی دکھانے سے پہلے وضاحت فرماتے ہیں کہ ان کا مقصد نبوت ورسالت کے منکرین،معجزات رسول پر زبان دراز کرنے والے گستاخان رسول اور ملحدین ومعاندین کی دشنام طرازیوں کا جواب دینا نہیں ہے؛ بلکہ اس کتاب کی تصنیف کا مقصد یہ ہے کہ دین محمد کے پیروکاروں میں اس کے مطالعے سے عشق نبوی کی آگ کو دوآتشہ کیا جائے،انھیں حقوق مصطفیٰ سے آگاہ

(۱) الشفاء:۱/۲۸۴-۲۸۷۔

کر کے ان کے اندر اعمالِ صالحہ کے جذبۂ شوق کو پر لگا دیا جائے اور ان کے ایمان میں ہر لمحہ جلا پیدا کیا جائے، اسی مقصد کی خاطر آپ معجزات کے موضوع پہ خامہ فرسائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

معجزات کی دو قسمیں

معجزات دراصل ان خارق عادات اُمور کا نام ہے، جنھیں اللہ تعالیٰ منکرین کے الزامی جواب کے طور پر حضرت انبیاء کے ہاتھوں ظاہر فرماتا ہے اور مخلوق ان جیسے اُمور پیش کرنے سے عاجز و قاصر ہوتی ہے، اس کی دو قسمیں ہیں :

(۱) ایک وہ جو انسانوں کے مقدور اور استطاعت میں رہا، پھر بھی وہ اس کے پیش کرنے سے عاجز رہے؛ لہٰذا ان کی عجز و بے بسی حکمت خداوندی پر موقوف ہوگی، اور یہ بات نبوت کی صداقت پر دلیل روشن ہوگی، مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہودیوں کو موت کی تمنا سے پھیر دینا اور بعضوں کی رائے کے مطابق فصحائے عرب کا قرآنی نظیر میں کوئی آیت پیش نہ کر سکنا۔

(۲) دوسری قسم وہ ہے جو انسانی مقدور سے باہر کی چیز ہے؛ چنانچہ اس قسم کے معجزات کے مماثل وہ کوئی چیز پیش کر ہی نہ سکتے تھے، مثلاً مردوں کو جلانا (حضرت ابراہیم وحضرت عیسیٰ ﷺ کا معجزہ) لاٹھی کو سانپ میں تبدیل کر دینا (حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ) چٹان سے اونٹنی کا پیدا ہونا (حضرت صالح علیہ السلام کا معجزہ) درختوں کا کلام کرنا، انگلیوں سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑنا، چاند کے ٹکرے ہونا (نبی آخر الزماں ﷺ کا معجزہ) ان معجزات کا صدور خدا کے علاوہ کسی انسانی طاقت سے ممکن نہ تھا؛ لیکن جب ان کا ظہور انبیاء کے ہاتھوں ہوا جو قدرت خداوندی کا کرشمہ تھا، پھر جھٹلانے والوں اور مخالفت کرنے والوں کو اس کے مماثل پیش کرنے کے لئے مقابلہ وتحدی کی دعوت دی تو ان کے عجز و بے بسی کا بھانڈا پھوٹ گیا۔

رسول مطاع سیدنا محمد ﷺ کے ہاتھوں جو معجزات بطور دلائل نبوت اور صداقت رسالت ظاہر ہوئے وہ مذکورہ بالا دونوں قسموں سے تعلق رکھتے ہیں، آپ ﷺ کے معجزات تعداد کی کثرت میں بھی اور دلائل کی قوت میں بھی دوسرے انبیاء سے بڑھ کر ظاہر ہوئے، یہ اس کثرت سے ظاہر ہوئے ہیں کہ ان کا احاطہ وشمار اس تصنیف میں مشکل ہے، آپ کا سب سے عظیم معجزہ قرآن کریم ہے، خود اسی ایک معجزہ کے اعجاز کے پہلوؤں کو ہزار دو ہزار کی تعداد میں منحصر کر سکتے؛ کیوں کہ آپ ﷺ نے اس کی ایک سورہ بلکہ ایک آیت کو مقابلہ میں پیش کیا اور لوگوں نے اس کی نظیر پیش کرنے سے ہار مان لی، آپ ﷺ کے معجزات کی صداقت دو طریقوں سے ثابت ہوتی ہے۔

اول : جن کا علم ہمیں قطعیت کے ساتھ حاصل ہوا اور جو ہم تک تواتر کے ساتھ نقل ہوتے آئے ہیں، جیسے قرآن کریم، یہ بات کسی بھی شک وشبہ اور اختلاف سے بالاتر ہے کہ قرآن کریم حضور اکرم ﷺ پر نازل ہوا اور آپ کے

توسط سے لوگوں تک پہنچا، آپ ﷺ نے اسے حجت اور دلیل کے طور پر پیش فرمایا، اگر کوئی مخالف ومنکر اپنی عداوت وہٹ دھرمی کی وجہ سے اس کا انکار کرے تو اس کا انکار کرنا ایسا ہی ہے، جیسے خود حضرت محمد ﷺ کی شخصیت کا انکار۔

دوم : جن کا علم ضرورت وقطعیت کے درجہ تک حاصل نہ ہوسکا، اس کی بھی دو قسمیں ہیں :

ایک قسم وہ جو مشہور معروف ہیں اور جنھیں بیان کرنے والے کثرت سے ہیں جو محدثین، مؤرخین اوراصحابِ سیر وسوانح کی نگاہ میں مشہور مسلم ہیں، مثلاً انگلیوں سے پانی کا چشمہ رواں ہوجانا، کھانے میں یک بیک اضافہ ہوجانا وغیرہ۔

دوسری قسم وہ ہے جسے ایک دو یا چند لوگوں نے نقل کیا ہو، جو پہلی قسم کی طرف مشہور ومعروف تو نہیں مگر ان سے معجزات کا ثبوت ملتا ہے اور خدائے لم یزل کی دست قدرت کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔

لیکن میں ڈنکے کی چوٹ پہ کہوں گا کہ اس طرح کی بیشتر احادیث قطعیت کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہیں، جہاں تک چاند کے ٹکڑے فرمانے کا تعلق ہے تو اس کی دلیل قرآن کی نص قطعی ہے جو اس کے پیش آنے پر شاہد ہے، اب قرآن کی اس کی کھلی دلیل کو چھوڑ کر کسی دوسری بات کو ماننے کے لئے بھی دلیل کی ضرورت ہے؛ جب کہ یہاں تو معاملہ یہ ہے کہ مختلف طرق سے ایسی حادیث مروی ہیں، جو اسی قرآنی دلیل کی تائید کرتی ہیں؛ لہٰذا دین وشریعت کے تار و پود بکھیرنے والے کسی احمق کی مخالفت سے ہمارے عزم ومقصد میں فتور نہ آئے گا اور نہ کسی جدت پسند کی حماقت وسفاہت قابل التفات سمجھی جائیں گی، جو کم مایہ مسلمانوں کے ایمان ویقین میں شک وارتیاب کا بیج بونا چاہتا ہے؛ بلکہ ہم ہر ایسے لوگوں کو رگید کے رکھ دیں گے، ان کے دلائل کے بودے پن کو بر سر بازار رسوا کریں گے اور ان کی احمقانہ صداؤں کو صدا بصحرا بنا دیں گے، یہی حال پانی کے چشمے کے رواں ہونے اور تکثیر طعام کا ہے، جنھیں ثقہ راویوں کی بڑی تعداد نے بڑی جماعت سے اور بڑی جماعت نے کثیر صحابہ کی جماعت سے نقل کیا ہے، مثلاً خندق کھودنے کے موقع حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا واقعہ، کھانے کی کثرت سے متعلق، یا ان ہی سے مروی پانی کے چشمے سے متعلق جنگ بواط کا واقعہ، صلح حدیبیہ کے موقع پر پانی کی کثرت وفراوانی کا واقعہ، غزوۂ تبوک میں کھانے کی کثرت کا واقعہ اور ان ہی جیسے بے شمار واقعات جو مسلمانوں کی جماعت کثیر اور مجاہدین کے جم غفیر کے درمیان پیش آئے، ان ساری روایتوں کو بیان کرنے کے بعد ایک شخص کی طرف سے بھی مخالفت نہیں ہوئی، نہ ہی راوی کے مشاہدہ کے بیان میں نکیر کی گئی، معلوم ہوا کہ ان حضرات کا ان روایتوں کو سن کر خاموش رہ جانا ایسا ہی تھا گو یا انھوں نے خود روایت کی ہو؛ کیوں کہ ان حضرات کے لئے ناحق بات سن کر خاموش رہ جانا ممکن نہ تھا۔(۱)

شبہات کا ازالہ

مصنف عصمت انبیاء کے باب میں مختلف زاویوں سے گفتگو کرتے ہیں اور کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑتے،

(۱) الشفاء:۱/۳۴۹-۳۵۵۔

ساتھ ہی ساتھ شبہات کے ایک ایک کانٹے چن چن کا نکالتے ہیں اور محققین، مفسرین اور محدثین کی تاویلات کی روشنی میں قاری کو جادۂ حق پہ لاکھڑا کرتے ہیں، عصمت انبیاء کے باب میں متعدد شبہات کا ازالہ کرتے ہوئے: ''عصی آدم ربه فغوی'' اور استغفار انبیاء پہ یوں اظہار خیال فرماتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام اپنی رفعت وبزرگی، اپنی علوشان، معرفت الٰہی، سنت اللہ کے ادراک اور خدا کی حاکمیت وقہاریت کے علم وعرفان کے جس مقام پر فائز ہوتے ہیں وہ انھیں اس بات پرآمادہ کرتا ہے کہ وہ رب العزۃ والجلال کے خوف سے کانپتے رہتے ہیں، ان پرلرزہ اور کپکی طاری رہتی ہے، جن گناہوں کے ارتکاب سے دوسروں کی گرفت نہیں ہوتی ان کی گرفت معمولی لغزشوں سے کر ڈالی جاتی ہے، اس لئے یہ حضرات اپنے تصرفات زندگی میں مباح اُمور سے بھی مجتنب اور خائف رہتے ہیں، ان کے عقاب وعتاب اور اپنے مآل کار سے ڈرتے رہتے ہیں، ان کے صادر ہوجانے سے عذابِ الٰہی کا اندیشہ محسوس کرتے ہیں، اس لئے ان مباح اُمور تک کو تاویل یا سہو ونسیان کے طور پر اختیار کرنے یا دنیاوی معاملات (کے مباحات کو) گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ان کے کمال طاعت کے لحاظ سے معصیت سمجھا جاتا ہے؛ حالاں کہ یہ عام انسانوں کے ذنوب ومعاصی کے مماثل نہ تھے؛ کیوں کہ ذنب حد درجہ خسیس، رذیل اور حقیر شئے کو کہتے ہیں، ذنب کل شئے کا مطلب ہر چیز کا آخری حصہ، اذناب الناس ارذال الناس کو کہتے ہیں، گویا یہ اُمور جن کو ہم ان کے حق میں ذنوب ومعاصی خیال کررہے ہیں، ان کے افعال واعمال کے خانوں کے آخری درجہ کے اعمال ہیں، بالفاظ دیگر ان کی طہارت ونزاہت، ان کی باطنی صفائی وتزکیہ نفس، ان کا تقویٰ اور خوف خدا، ان کے اعمالِ صالحہ اور ان کے اخلاق فاضلہ، ان کا ذکر لسانی اور ذکر قلبی، ان کی خشیت اور تضرع الی اللہ اور جلوت وخلوت میں اللہ کی عظمت وکبریائی میں استغراق کے لحاظ سے یہ ''لغزشیں'' کم تر درجے کے اعمال ہیں۔

کتاب پر مختصر تبصرہ

مصنف اپنی تصنیف کے اختتام پر تحریر فرماتے ہیں:

یہاں ہماری گزارشات پوری ہوتی ہیں، جو عزم ومقصد لے کر ہم چلے تھے وہ پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے، جن شرائط اور خطوط پر چلنے کا ہم نے وعدہ کیا تھا اسی روش پر راہ سفر

پر گامزن رہے ہیں، مجھے توقع ہے کہ کتاب کے ہر حصہ میں طالبان علم کے لئے تشنگی کا
سامان اوراس کے ہر ہر باب میں رہ روان عشق کے لئے جادہ ومنزل کا پتہ ہے۔

ہم نے اس کتاب میں اپنی نکتہ سنجی و دقیقہ رسی سے ایسی گل آفرینیاں کی ہیں، جن کی مثالیں گزشتہ تصانیف میں نہیں ملتیں، ہم نے تحقیق وجستجو کے ایسے آب زلال سے سقائی کی ہے، جہاں تک کسی کا گزر نہیں ہوسکا، میری خواہش تھی کے اگر اس موضوع پر مجھ سے پہلے کوئی اپنے اشہب قلم کے جوہر کو دکھاچکا ہوتا یا کوئی مینارۂ علم وفن اپنے نوک قلم یا موئے زبان سے میری تشنگی علم مٹاتا تو میں دوسروں کو سیراب کرنے کے بجائے خود اس کے دریائے علم میں شناوری کرتا۔(۱)

مصنف نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں بھی اس طرح کی باتیں کہیں ہیں کہ تصنیف ایسے اُمور کی متقاضی ہے کہ ہر بات اُصول کی روشنی میں کہی جائے اور حقائق علمیہ کے سمندر میں غواصی کی جائے، مگر مصنف کے اپنے اس دعوے کے باوجود روایت اور درایت میں وہ اُصولوں کی پاسداری نہیں کرسکے، ہمیں ایک بلند پایہ محدث اور انتیس جلدوں میں جامع مسلم کے شارح (اکمال العلم فی شرح مسلم) سے توقع تھی کہ سیرت کے معیاری فن کے اُصولوں کی رعایت ملحوظ رکھیں گے، جس کی مثال ہمیں علامہ شبلیؒ کی ''سیرت النبی'' اور حسین ہیکل کی ''حیاتِ محمد'' میں نظر آتی ہے، مگر نقد روایت کے جو اُصول محدثین نے قائم کئے ہیں اور جن کی رعایت یقیناً حدیث کے باب میں مصنف نے بھی ملحوظ رکھی ہوگی، اپنی سیرت شفا میں وہ ایسا نہ کرسکے، ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ سیرت رسول کا مستند تر مواد قرآن کے بعد حدیث ہی ہے، اگر چہ حدیث کی روایت سیرت کی روایتوں سے بلند تر ہے، مگر سیرت کا معیاری فن اس باب میں ان ہی اُصولوں کی رعایت کا تقاضا کرتا ہے جو حدیث کے لئے وضع ہوئے ہیں۔

مصنف نے یقیناً اولین ماخذ کے طور پر جابجا قرآن کریم سے ثبوت وشواہد پیش کرنے کا التزام کیا ہے، مگر تفسیر کے معاملے میں ضعیف تفسیری اقوال کثرت کے ساتھ نقل کرتے چلے گئے ہیں اور مشہور اور راجح اقوال کو نظر انداز کر کے مرجوح اور مجروح اقوال بلاکسی محاکمہ کے ذکر کردیئے ہیں، شاذ قراتوں کی اس اساس پر تفسیری نکات بھی خوب بیان کئے ہیں، مصنف ہر باب اور فصل میں کثرت کے ساتھ احادیث نقل کرتے ہیں، مگر صحیح اور قوی احادیث کے ساتھ ضعیف بلکہ موضوع احادیث بھی نقل کرنے سے نہیں ہچکچاتے، اگر چہ ان ضعیف روایتوں کی حیثیت شواہد کی ہوتی ہے؛ چنانچہ مولانا ضیاء الدین اصلاحی رقم طراز ہیں :

> انھوں نے بعض جگہ ضعیف حدیثیں نقل کی ہیں، مگر ان کی تائید وتوثیق کے لئے صحیح
> اور مشہور حدیثیں بھی نقل کردی ہیں، اس طرح ضعیف حدیثوں کی حیثیت محدثین
> کے اُصول کے مطابق شواہد ومتابعات کی ہوگئی ہے۔(۲)

(۱) الشفاء:۱/۱۱۱۵۔ (۲) سہ ماہی رسالہ کاروان ادب:۱۰۱، جنوری-مارچ ۱۹۹۵ء۔

تکرار کے بوجھ اور طول بیانی کی گرانی سے بھی کتاب خالی نہیں ہے؛ بلکہ کشف الظنون کے مصنف نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ :

یہ کتاب رطب ویابس کا مجموعہ ہے، جس میں صحت کا التزام نہیں کیا گیا ہے۔(۱)

کتاب کے بعض مسامحات کو نظر انداز کر دیا جائے تو یہ ایک مایہ ناز، ایمان افروز، روح پرور، محبت سے لبریز اور کامیاب تصنیف کا نمونہ ہے، اس کی تقریظ میں اہل صدق وصفا نے جی کھول کر گلہائے عقیدت لٹائے ہیں، مصنف کی کتاب حقیقت میں ایک ایسا علمی خزانہ اور خوبصورت کشکول ہے، جس میں قرآنی آیات، احادیث رسول، فقہی مسائل، کلامی بحثیں، آثار صحابہ، اقوال علماء اور روایات وواقعات، زبان وقواعد اور شعر وادب کا ذوق سب کچھ نظر آتا ہے۔

دراصل مصنف نے شفا کے نام سے محبت رسول کی ایک پھلواری لگائی ہے، جس میں انھوں نے اپنے محبوب کے شمائل وخصائل، آداب واطوار، افعال واقوال اور رفتار وگفتار کے گلاب وسوسن، جوہی ورات کی رانی اور چمپا وچنبیلی کے پودے لگائے ہیں اور عاشقان رسول ﷺ کو ان کی خوشبوؤں سے مشام جاں کو معطر کرنے کی دعوت دی ہے، مقصود صرف یہ ہے کہ حبیب خدا کی ہر ادا، ہر اقدام، ہر شیوہ اور ہر عمل کے نقش پا پر وہ چل پڑیں، شفا محبت مصطفیٰ کے بحر ذخار سے اُٹھتی ہوئی چند موجیں ہیں، جن سے پیاسے دلوں کو سیراب کرنا مقصود ہے، یہ تصنیف دراصل آفتاب رسالت ﷺ کے لامحدود انوار وتجلیات کی چند کرنیں ہیں، جن سے ایمان کے سارے طبق کو روشن ہونا چاہئے۔

قاضی عیاضؒ نے چاہا ہے کہ جمالِ مصطفیٰ، کمالِ مصطفیٰ، اور حقوق مصطفیٰ کی آگہی عطا کرکے سرد دلوں میں محبت رسول کی چنگاری پیدا کر دیں، پھر اس چنگاری کو تپش سوزاں بنا کر ایمان وعبودیت میں ایسی حرارت پیدا کر دیں، جس سے قلب روشن، نگاہ پاکیزہ اور عزم ویقین تازہ وتوانا ہو جائے، زندگی کو کامیاب بنانے کا راز عبدیت میں پنہاں ہے اور یہی محبت رسول ﷺ کا مقام اعلیٰ ہے، بارالٰہا :

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسم محمدؐ سے اُجالا کردے

○ ○ ○

---

(۱) کشف الظنون: ۴۹۹/۱۔

متحدہ اسلام کا منشور — ایک تنقیدی جائزہ

مولانا شاہد علی قاسمی •

جناب راشد شاز معروف قلم کار اور دانشوران قوم میں سے ہیں، شمالی ہندوستان سے تعلق ہے، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے بی اے، ایم اے، ایم فل، اور پی ایچ ڈی کیا ہے، اس وقت دہلی میں مقیم ہیں، مختلف تنظیموں سے وابستہ ہیں اُردو، ہندی، عربی اور انگریزی زبان پر عبور رکھتے ہیں، بیس سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں، مجموعی طور پر یہ کتابیں دہلی، لندن، بیروت اور ریاض سے چھپی ہیں، مختلف میگزین میں بھی آپ کے مضامین چھپتے رہتے ہیں۔

موصوف کی ایک کتاب مطبع گلوریس پرنٹرس، نئی دہلی سے سال گذشتہ یعنی ۲۰۱۲ء میں شائع ہوئی ہے، جس کا نام ہے: ''متحدہ اسلام کا منشور'' یہ ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے، یہ کتاب اُردو کے علاوہ ہندی اور عربی زبان میں بھی شائع کی گئی ہے، راقم الحروف کے سامنے اُردو والا نسخہ ہے، کتاب کے مطالعہ سے یہ پہلو نمایاں ہے کہ مؤلف کتاب کا ادبی ذوق عالی ہے، یہ کتاب اُردو زبان وادب کے اعتبار سے بہت خوب ہے؛ لیکن اس وقت راقم الحروف کا مقصد اس کتاب کے ادبی پہلو کو اُجاگر کرنا نہیں ہے؛ بلکہ اپنے فہم کے مطابق اس کا تنقیدی جائزہ مطمح نظر ہے۔

اس کتاب کا موضوع کیا ہے؟ اس کتاب کا نام (متحدہ اسلام کا منشور) خود اپنے موضوع کی وضاحت کر رہا ہے، یعنی ایسے اسلام کا منشور جس میں فرقہ بندی، مسلکی اختلاف اور گروہ واریت نہ ہو، جہاں مسلمان کی شناخت مسلمان ہونے سے ہوتی ہو، حامل قرآن ہونے سے ہوتی ہو، نہ کہ حنفیت یا شافعیت، یا سنیت، یا شیعیت وغیرہ سے — صاحبِ کتاب نے اس کتاب میں بنیادی طور پر یہی بات لکھی ہے کہ صدر اول کے بعد سے مسلمان مختلف گروہوں، فرقوں، جماعتوں اور مسلکوں میں بٹ گئے، کوئی شیعہ ہے تو کوئی سنی، کوئی اباضی ہے تو کوئی زیدی، کوئی حنفی ہے تو کوئی شافعی، کوئی مالکی ہے تو کوئی حنبلی، کوئی دیوبندی ہے تو کوئی بریلوی، کوئی سلفی ہے تو کوئی نقشبندی، کوئی قادری ہے تو کوئی چشتی اور سہروردی وغیرہ، اسلام کے صدر اول کے بعد سے لوگ آہستہ آہستہ مختلف خانوں میں منقسم ہوتے چلے گئے، جس کے نتیجہ میں مسلمان مشرکانہ شناخت سے جڑ گئے؛ حالاں کہ ایک مسلمان کی شناخت اس اعتبار سے ہونی چاہئے کہ وہ حامل قرآن ہے، یا اس اعتبار سے کہ وہ ہر جماعت وگروہ سے اوپر اُٹھ کر ایک مسلمان ہے، یا اس اعتبار سے کہ وہ دین محمدی والا ہے، نہ یہ کہ وہ حنفی ہے یا شافعی اور نہ اس طرح کہ وہ سنی ہے یا شیعہ وغیرہ۔

• استاذ: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد۔

مؤلفِ کتاب ان تمام گروہوں کو تعلیمات قرآن اور ہدایات نبوی کے خلاف مانتے ہیں، اس لئے مؤلف نے ہر گروہ کی اہم شخصیات کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے، اس سلسلہ کے چند نمونے ملاحظہ ہوں :

> اب محض یہ کہنے سے کام نہیں چلے گا کہ خدائے واحد کی عطاء کردہ حنیفاً مسلما کی شناخت کو ترک کرنے والے لوگ جو فرقہ پرستی، ائمہ پرستی، شیوخ پرستی اور ان جیسی دیگر پرستشوں میں مبتلا ہیں اور جنھوں نے علی الاعلان خدائے واحد کے بجائے اپنے اپنے فرقے اور گروہ کا علم بلند کر رکھا۔ (ص:۲۳)

چند سطروں کے بعد رقمطراز ہیں :

> یہ کیسے ممکن ہے کہ اُمت کے تمام ہی فرقے جنھوں نے مسلمان محض کی شناخت کو خیر باد کہتے ہوئے غیر اسلامی شناختوں کا علم بلند کیا، جو شیعہ، سنی، حنفی، شافعی ہوگئے اور جن کے ہاتھوں سے حبل اللہ المتین پھسل گئی۔ (ص:۲۳)

قارئین غور فرمائیں کہ جن کے ہاتھوں سے حبل اللہ المتین پھسل گئی، ان میں تمام حنفی بھی ہیں اور شافعی بھی، موصوف کا خیال ہے کہ ہر طرح کی فرقہ بندی شرک ہے، خواہ یہ فرقہ بندی مسلکی کیوں نہ ہو، جیسے حنفی شافعی وغیرہ؛ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں :

> اب اس اُمت میں ڈھونڈنے سے بھی ایسے لوگ نہیں ملتے، جو یہ کہنے کی جرأت کرتے ہوں کہ وہ صرف اور صرف مسلمان ہیں، شیعہ، سنی، اسماعیلی، اباضی، دروزی اور ان جیسی دیگر غیر اسلامی شناختوں سے ان کا دامن یکسر پاک ہے اور یہ کہ وہ کسی ابوحنیفہ یا کسی شافعی پر ایمان نہیں لائے ہیں، بہ ظاہر یہ خیال عجیب معلوم ہوتا ہے کہ جس فرقہ بندی کو شرک کے بجائے عین اسلام سمجھ لیا گیا ہے اور جسے اُمت کا سوادِ اعظم رسالہ محمدی سمجھ بیٹھا ہے، اس کی بنیادوں پر شبہات وارد کئے جائیں، ہوسکتا ہے کہ آپ کے دل میں یہ خیال آئے کہ ہم جن گروہ بندیوں کو عین اسلام سمجھتے رہے ہیں اور جس پر کم و بیش ہزار برسوں سے عامل بھی ہیں، اچانک آج ان بنیادوں کو ساقط الاعتبار قرار دینے کی آخر ضرورت ہی کیا ہے؟ اس اُمت میں ان ہزار برسوں میں نہ جانے کتنے علماء و مفکرین پیدا ہوئے، نہ جانے کتنے شارحین اور متکلمین نے جنم لیا، آخر ان لوگوں نے اس انحراف عظیم کی طرف کیوں نہ اشارہ کیا، جس کی نشاندہی آج میں کوئی ہزار سال بعد کر رہا ہوں؟ (ص:۱۹)

مؤلف کتاب اس بات سے سخت ناراض نظر آتے ہیں کہ ایک ہزار سال کے اندر امام غزالیؒ، ابن تیمیہؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، محمد بن عبدالوہابؒ، حسن البناؒ، مولانا الیاس صاحبؒ، سید ابوالاعلیٰ مودودی، جیسے اہل علم پیدا ہوئے؛ لیکن ان حضرات نے بھی اس تاریخی انحراف کو ختم نہیں کیا، موصوف کے الفاظ ہیں :

> بلکہ ان سبھوں کا رویہ یہ رہا کہ اس مجموعۂ اضداد کو ساتھ لے کر چلا جائے کہ یہ وہ مرض مزمن ہے جس کا علاج ممکن نہیں۔ (ص:۲۰)

اسی طرح مزید شاہ صاحبؒ کے بارے میں کہتے ہیں :

> شاہ ولی اللہ یہ تو باور کراتے ہیں کہ اصل مسالک فقہی صرف دو ہیں، حنفی اور شافعی اور بقیہ دوان کے اندر ہی سمو جاتے ہیں؛ البتہ وہ اس خیال باطل سے اپنا پیچھا نہیں چھڑا پائے۔ (ص:۲۰)

موصوف کا منشاء یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ کو حنفیت اور شافعیت وغیرہ کی تردید کرنی چاہئے تھی؛ لیکن وہ خود مسلکی گروہ بندیوں کے اسیر ہو کر رہ گئے، اسی طرح کا اعتراض ابن تیمیہ اور امام غزالیؒ پر کیا، پھر اس کے بعد تحریر کیا کہ :

> اگر بارہ امام کا تصور غلط ہے تو ان چار سنی اماموں کا دینی جواز کیا ہے؟ (ص:۲۰)

گویا جس طرح شیعوں میں بارہ امام کا تصور غلط ہے اسی طرح کا حکم چاروں دبستانِ فقہ یعنی حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی کا ہے، کچھ اور اہل علم کے بارے میں موصوف کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیں :

> آخر یہ کیسے ہوا کہ ابوالحسن اشعری کو یہ اختیار مل گیا کہ وہ سنی اسلام کے شارح اور ترجمان بن جائیں اور ان کا تشکیل کردہ محضر نامۂ عقائد اگلی نسلوں کے لئے ایک ناگزیر حوالہ بن جائے، اشعری ہوں یا ماتریدی، واصل بن عطاء ہوں یا خلیفہ مامون اور ابن حنبل، عقائد کی بحث میں ان سبھوں نے ان حدود سے تجاوز کیا ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واشگاف الفاظ میں متعین کر دیا تھا۔ (ص:۳۲-۳۳)

ایک اور موقع پر موصوف امام شافعیؒ پر اپنے قلم گستاخ کو جنبش دیتے ہوئے لکھتے ہیں :

> سچ تو یہ ہے کہ شافعی کے ''الرسالہ'' سے شروع ہونے والا یہ سفر جو بالآخر تقسیم خلافت اور اس کے اضمحلال کے جھٹپٹے میں علماء اسلام کے ادارے کی شکل میں منتج ہوا، دین اسلام میں اتنی بڑی بدعت تھی جس نے اسلام جیسے حیات افزا دین کو ایک منجمد اور بے روح مذہب میں تبدیل کر دیا۔ (ص:۴۰)

اسی طرح عام فقہاء کرام پر تیشہ چلاتے ہوئے کہا :

> وحی ربانی کے گرد فقہاء کے قائم کردہ حصار سے اُمت کی راہ گم ہوگئی۔ (ص:۴۳)

گویا فقہاء نے اُمت کو گمراہ کردیا۔

جس طرح مؤلف کتاب نے عام فقہاء ومجتہدین اور متکلمین کو ہدف تنقید بنایا ہے، اسی طرح مشائخ وصوفیاء حضرات کو بھی نہیں بخشا ہے، موصوف کا خیال ہے کہ پیری مریدی، خانقاہ اور روحانی خلافت اسماعیلی فرقہ کی خفیہ سازش ہے، فاطمی خلفاء نے سیاسی اضمحلال کے بعد حکومت کے استحکام کے لئے خانقاہ اور پیری مریدی کا نظام قائم کیا، ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں :

> تصوف کی ابتداء دراصل مذہب کے سیاسی استعمال بلکہ استحصال اور بڑھتی ہوئی مادیت کے خلاف ایک احتجاجی مظاہرے کی تھی، پھر اسے فاطمیین نے اپنے قالب میں ڈھالنے اور اپنی سیاسی دعوت کو مستحکم کرنے کے لئے تحریک کے طور پر استعمال کیا، اہل اللہ کے لبادے میں ایک زیرزمین تحریک کو منظّم کرنے کے لئے اسماعیلی داعی مختلف بلاد وامصار میں پھیل گئے۔ (ص:۴۴)

اسی لئے موصوف نے متعدد بزرگان دین کا نام لے لے کر کہا کہ یہ سب اسماعیلی داعی تھے اور اسماعیلی ریاست کو مستحکم کرنے کے خفیہ مشن پر مامور تھے؛ چنانچہ آگے لکھتے ہیں :

> اس بات کے تاریخی شواہد موجود ہیں کہ معین الدین چشتی، قطب الدین بختیار کاکی اور اس قبیل کے دوسرے بہت سے بزرگوں کا اس چھوٹی سی اسماعیلی ولایت میں بار بار آنا جانا لگا رہا، عثمان ہارونی، بہاء الدین زکریا، نظام الدین اولیاء، علی ہجویری، بابا فرید، شہباز قلندر اور اس طرح کے جتنے بڑے نام ہیں، یہ سب لوگ دراصل جلیل القدر اور پرعزم اسماعیلی داعی تھے، جو فاطمی سادات کی اسماعیلی ریاست کو وسعت اور استحکام عطا کرنے کے خفیہ مشن پر مامور تھے۔ (ص:۴۴-۴۵)

اس کے بعد مؤلف نے مزید کچھ بزرگان کو نشانہ بناتے ہوئے لکھا ہے :

> ہماری تاریخ کے بیشتر بزرگ جو اپنے لئے محی الدین کا لقب استعمال کرتے ہیں، مثلاً ابن عربی یا عبد القادر جیلانی، ان کی تحریر وتقریر اور چلت پھرت پر فاطمی حوالہ خاصا نمایاں ہے، مولانائے روم کا اسماعیلی نظام دعوت میں خاصا بڑا مقام ہے، جنھوں نے اپنی تمام تر جلالتِ علمی کے باوجود اپنے آپ کو اسماعیلی امام شمس الدین (شمس تبریز) کی اتباع میں دے رکھا ہے، شہرستانی جو بہ ظاہر سنی فکری میں ایک جلیل القدر عالم کی حیثیت سے دیکھے جاتے ہیں، وہ بھی بہ باطن اسماعیلی نظام دعوت میں داعی الدعاۃ

کے منصب پر فائز ہیں، عطار، سعدی، شبستری، نسفی جیسے عبقری جنھوں نے سنی مسلم
ذہن کی تشکیل میں اہم رول انجام دیا ہے، ان کی تحریریں بھی پوشیدہ اسماعیلی تعلق کا
پتہ دیتی ہیں۔(ص:۴۵-۴۶)

یوں تو پوری کتاب اس طرح کی بے ہودہ باتوں سے بھری ہوئی ہے؛ لیکن میں نے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے چند نمونے قارئین کے لئے پیش کئے؛ تا کہ مؤلف کتاب راشد شاز صاحب کا شذوذ اور فکری بے اعتدالی، ادنیٰ تامل سے ظاہر ہو جائے، پیش کردہ اقتباسات اور زیر تبصرہ کتاب: ''متحدہ اسلام کا منشور'' کے مطالعہ سے مجموعی طور پر جو باتیں ثابت ہوتی ہیں وہ وہی ہیں جن کی طرف شروع میں اشارہ کیا گیا، خلاصہ کچھ اس طرح ہے :

(۱) مسلمانوں کا مختلف گروہوں، فرقوں اور مسلکوں میں بٹ جانا شرک اور تعلیماتِ قرآنی کے مغائر ہے۔

(۲) ائمہ اربعہ اور ان کے متبعین اور دوسرے فقہاء نے اُمت کو گمراہ کیا۔

(۳) متکلمین جنھوں نے علم کلام اور عقائد حقہ کو واضح کیا، وہ سب غیر قرآنی عقائد پیش کر کے خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا۔

(۴) پیری مریدی، خلافت و بیعت اور بزرگان دین اور ان کے مریدین فاطمی حکومت کو مستحکم کرنے کی کوششوں سے عبارت ہے، ایسے بزرگانِ دین کا تعلق شیعہ کی ایک شاخ اسماعیلی فرقہ سے ہے۔

(۵) مسلمانوں کو زوال وپستی سے نکلنا ہے تو انھیں اسلام کے صدر اول کا نمونہ بننا پڑے گا، جہاں نہ حنفیت تھی نہ شافعیت اور نہ حنبلیت تھی اور نہ مالکیت، جہاں نہ شیعہ تھے، اور نہ سنی، اور جہاں نہ خانقاہ تھی اور نہ پیری مریدی کا چکر، جہاں صرف اور صرف مسلمان تھے اور ان کی شناخت مسلمان کے لفظ سے متعلق تھی، نہ کہ مسلکی وگروہی مسلمان سے۔

قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جناب راشد شاز صاحب نے جمہور اُمت اور جمہور علماء وفقہاء اور بزرگان دین کو بہ یک جنبش قلم گمراہ قرار دیا ہے اور نہ معلوم موصوف تاریخ کی عظیم شخصیتوں کو گمراہ قرار دے کر کون سا متحدہ اسلام کا منشور پیش کرنا چاہتے ہیں، اس موقع پر مسلم شریف کی یہ حدیث یاد آتی ہے کہ: **إذا قال الرجل : هلك الناس فهو أهلكهم** ،(۱) ''یعنی جب کوئی آدمی کہے کہ لوگ ہلاک ہو گئے، تو درحقیقت وہ آدمی خود ہلاکت میں ہوتا ہے'' اسی طرح یہ حدیث بھی برمحل معلوم ہوتی ہے، اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:......**من شذ شذ فی النار** ،(۲) یعنی جو شذوذ اختیار کرے اور جمہور اُمت کے برخلاف دوسری روش اختیار کرے، تو اسے اس کا شذوذ جہنم میں لے جائے گا۔

---

(۱) مسلم، حدیث نمبر:۲۶۲۳۔ (۲) ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ، حدیث نمبر:۲۱۶۷۔

یاد رکھنا چاہئے کہ اس اُمت کی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت اس کا گمراہی پر مجتمع نہیں ہونا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے :

إن أمتی لا تجتمع علٰی ضلا لة ، فإذا رأیتم اختلافاً فعلیکم بالسواد الأعظم . (۱)

میری اُمت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی، جب تم اختلاف دیکھو تو سوادِ اعظم کو لازم پکڑو۔

اللہ کی طرف سے انتظام ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں حاملین علوم نبوت پیدا فرماتے رہتے ہیں اور جب بھی دین اسلام کی شبیہ بگاڑنے کی کوشش کی جاتی ہے، مجددین وقت اور حاملین علوم نبوت اس کے خلاف کمربستہ ہو جاتے ہیں اور حدیث شریف کی روشنی میں یہ سلسلہ چلتا رہے گا؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

إن اللہ یبعث لهذه الأمة علی رأس کل مأة سنة من یجدد لها دینها . (۲)

بے شک اللہ تعالیٰ ہر سو سال پر ایسے شخص کو پیدا کرتے رہیں گے جو دین میں تجدیدی کارنامہ انجام دیں گے۔

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے :

لا تزال طائفة من أمتی ظاهرین حتی یأتي أمر اللہ وهم ظاهرون . (۳)

میری اُمت کی ایک جماعت ہمیشہ غالب رہے گی، یہاں تک کہ اللہ کا امر آجائے اور (اُس وقت بھی) یہ اُمت غالب رہے گی۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ . (الحجر:۹)

اللہ کا تعالیٰ ہے کہ ہم اس دین کی حفاظت کرتے رہیں گے۔

اس میں اشارہ موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے اہل علم پیدا کرتے رہیں گے، جو اللہ کے منشا کے مطابق دین کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیتے رہیں گے۔

ان دلائل کو پیش کرنے کا منشا یہ ہے کہ کوئی بھی صدی اہل اللہ اور رجال اللہ سے خالی نہیں رہی ہے اور آئندہ بھی خالی نہیں رہے گی، پس راشد شاز صاحب کا دعویٰ کہ اُمت ہزار سال سے انحراف عظیم میں مبتلا ہے، کتنی بڑی جسارت اور دریدہ دہنی ہے اور اُمت کے مصلحین اور فقہاء و محدثین کی عظیم دینی خدمات کو کس قدر فراموش اور یکسر نظر انداز کرنے والی بات ہے۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، حدیث نمبر: ۳۹۵۰۔ (۲) سنن ابی داود، کتاب الملاحم، حدیث نمبر: ۴۲۹۱۔

(۳) بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، حدیث نمبر: ۷۳۱۱۔

''متحدہ اسلام کا منشور'' میں یوں تو ہفوات اور بکواس کی کثرت ہے، تاہم راقم الحروف نے خلاصہ کے طور پر چار باتیں پیش کی ہیں، اب ذیل میں اختصار کے ساتھ ان کا جواب دیا جاتا ہے :

(۱) مسلمانوں کا مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ جانا اگر عقائد کے اعتبار سے ہوتو یہ یقیناً مذموم اور قابل ملامت ہے؛ لیکن یہ مذمت ان فرقوں کے لئے ہے، جن کے عقائد قرآن واحادیث کی تعلیمات کے مغائر ہوں، جیسا کہ معتزلہ، جہمیہ، خطابیہ، شیعہ، خوارج اور اس طرح کے دوسرے فرقے ہیں، جنھیں ''اہل ہویٰ'' کہا جاتا ہے، ان فرقوں کا گمراہ ہونا دلائل سے ثابت ہے، یہی وجہ ہے کہ اس طرح کے فرقے سوائے شیعہ کے مرور ایام کے بعد ناپید ہوگئے، اگر بعض فرقوں کے ماننے والے ہیں بھی تو بہت تھوڑی تعداد میں، نیز اس وقت مہدوی، بہائی، اور اس طرح کے بعض اور فرقے پائے جاتے ہیں، ان سب فرقوں کے عقائد قرآن واحادیث کی صریح تعلیمات کے مغائر ہیں، قرآن وحدیث میں غور کرنے والا ادنیٰ تامل سے ان باتوں کو سمجھ سکتا ہے، یہاں تفصیلات کا موقع نہیں ہے، اہل سنت والجماعت کے عقائد قرآن واحادیث کے مطابق اور صحابہ وتابعین کے پیش کردہ اسلام کے عین مطابق ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے دوسرے فرقوں کے مقابلہ اہل سنت کو غلبہ دیا اور ہمیشہ اسی کی مقبولیت رہی —— جو فرقے اہل سنت کی روش سے ہٹ گئے، انھوں نے یقیناً اختلافات کو ہوا دے کر مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کیا ہے اور اس سے کافی نقصان پہنچا ہے، ظاہر ہے کہ ایسے لوگ اپنے اعمال کے خود جواب دہ ہیں، اللہ ان کے حساب کے لئے کافی ہیں۔

راشد شاز صاحب کا یہ کہنا کہ یہ تمام فرقے گمراہ اور شرک میں مبتلا ہیں، غلط ہے، جس حدیث میں اُمت محمدیہ کے تہتر فرقوں میں بٹ جانے کی بات ہے، اس میں بھی ایک گروہ کو اہل حق کہا گیا ہے اور اہل حق کا معیار ''**ما أنا علیه و أصحابی**'' قرار دیا گیا ہے، یعنی جو لوگ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کے طریقے پر قائم ہوں، الحمد للہ اہل سنت والجماعت اسی روش پر ہیں اور اہل حق کا یہ طبقہ ہر صدی میں رہا ہے اور انشاء اللہ ہر صدی میں رہے گا اور تاریخ بتاتی ہے کہ ہمیشہ مسلمانوں میں اہل سنت ہی کا غلبہ رہا ہے، اس لئے کہ حق کو قرار وثبات رہتا ہے، اور باطل تند وتیز آندھی کی طرح آتا ہے اور چلا جاتا ہے —— لہٰذا اہل سنت کو بھی ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا اور گمراہوں کی صف میں شمار کرنا انتہائی بدبختانہ قول ہے، راشد شاز صاحب کو چاہئے تھا کہ ہر صدی میں پائے جانے والی حق جماعت کو تلاش کرتے اور اس کی روش اختیار کرتے، نہ یہ کہ اُمت کے سوادِ اعظم کو گمراہ کہتے، آخر وہ کون سے اسلام میں لوگوں کو آنے کی بات کہہ رہے ہیں اور کونسا اسلام ان کے نزدیک صحیح اسلام ہے؟ دوسروں کو گمراہ قرار دینے پر انھیں اکتفاء نہیں کرنا چاہئے تھا؛ بلکہ پیغمبر اسلام ﷺ نے جس طرح کا اسلام پیش فرمایا تھا اور بزعم خویش ایک ہزار سال سے اُمت اس اسلام سے دور ہے تو آخر وہ کونسا اسلام ہے؟ ضروری تھا کہ وہ اس اسلام کو پیش کرتے۔

(۲) ائمہ اربعہ کا حق پر ہونا متفق علیہ معاملہ ہے، اُمت کے سوادِ اعظم کا ہمیشہ اس پر اتفاق رہا ہے، ائمہ اربعہ اوران کے متبعین کا عقائد میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اسی طرح ان مسائل میں بھی اختلاف نہیں ہے جن کے دلائل واضح اور دوٹوک ہیں، اختلاف صرف ان فروعی مسائل میں ہے، جہاں دلائل کی روشنی میں ایک سے زائد آراء کی گنجائش ہے اوراس طرح کے فروعی مسائل اوران میں اختلاف گمراہی کا دروازہ نہیں ہے، اگر یہ اختلاف گمراہی پر مبنی مان لیا جائے تو پھر (نعوذ باللہ) صحابہ کو بھی گمراہ کہنا پڑے گا؛ کیوں کہ بہت سے مسائل میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان بھی اختلاف رہا ہے، جیسا کہ یہ کسی صاحب علم پر مخفی نہیں ہے اوراسی بنیاد پر تابعین، تبع تابعین، ائمہ حضرات اور مجتہدین کرام کے درمیان بھی اختلاف باقی رہا، یاد رکھنا چاہئے کہ فروعی مسائل میں اختلاف مذموم نہیں ہے؛ بلکہ اُمت کے لئے رحمت ہے، چنانچہ جب کبھی اُمت کے لئے کسی ایک صحابی کی رائے پر عمل دشوار ہوجاتا ہے تو دوسرے صحابی کی رائے پر عمل کیا جاتا ہے، ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں، صحابہ کے اختلاف کے سلسلہ میں عمر بن عبدالعزیزؒ کا ارشاد ہے:

> مجھے یہ پسند نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں اختلاف نہ ہوتا، اس لئے کہ اگر (مسائل میں ان کا) ایک ہی قول ہوتا تو لوگ تنگی میں رہتے اور وہ اُمت کے ائمہ ہیں، جن کی اقتداء کی جاتی ہے تو اگر آدمی ان میں سے کسی ایک کے قول کو بھی لے لے گا اوراس پر عمل کرے گا تو وہ وسعت میں رہے گا۔(۱)

یہی حال چاروں ائمہ کے مسالک کا ہے، کہ جب ایک حنفی یا شافعی یا مالکی وغیرہ کے لئے کسی مسئلہ پر عمل انتہائی مشقت کا باعث ہوجاتا ہے تو دوسرے مسلک کی طرف چند شرائط کے ساتھ عدول کیا جاتا ہے اور کبھی ایک مسلک والے نے دوسرے مسلک والے کو گمراہ نہیں کہا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ بسا اوقات ان ائمہ کے بعض متبعین کے درمیان مناظرہ کا بازار گرم بھی رہا ہے؛ لیکن اس طرح کے چند واقعات پر زیادہ کان نہیں دھرنا چاہئے، اگر اس کی بنیاد پر کوئی بدگمان ہوجائے تو پھر عین ممکن ہے کہ وہ بعض صحابہ سے بھی بدگمان ہوجائے، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان اختلاف ہوا اور اختلاف کے نتیجہ میں جنگ جمل کا واقعہ پیش آیا، اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف ہوا اور عظیم معرکہ صفین پیش آیا وغیرہ۔

جناب راشد شاز صاحب کو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی یہ کوئی جاہلی نسبت ہے؛ بلکہ معاملہ صرف اس قدر ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو حنفی کہتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ مختلف فیہ مسائل میں قرآن وسنت سے قریب تر حنفیہ کا مسلک ہے، اسی طرح مالکی، شافعی اور حنبلی شخص سمجھتا ہے، نہ یہ کہ قرآن وسنت کے مقابلہ میں ان ائمہ متبوعین نے الگ الگ قوانین وضع کئے ہیں، اس لئے مسلکی نسبت کوئی جاہلی نسبت نہیں ہے کہ اسے برا بھلا کہا جائے۔

---

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر: ۱۶۸۹، اور ملاحظہ ہو: مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ: ۸۰/۳۰۔

اگر راشد شاز صاحب کو اس بات سے پریشانی ہے کہ مسائل دینیہ کو جاننے اور انھیں حاصل کرنے میں درمیانی واسطوں کو لانے کی کیا ضرورت ہے؟ دین کی تشریح وتوضیح میں حنفیت وشافعیت وغیرہ کو واسطہ بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ جیسا کہ موصوف کا گمان ہے کہ ان واسطوں نے اُمت کو گمراہ کردیا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہرکس وناکس کو مکلّف بنایا جائے کہ وہ اپنے مسائل زندگی کو براہ راست قرآن وحدیث سے حل کرے؟ کوئی بھی صاحب بصیرت سمجھ سکتا ہے کہ یہ کام ہرکس وناکس کا نہیں ہے؛ بلکہ یہ ممکن ہی نہیں ہے، اگر یہ کہا جائے کہ جاہل اور قرآن وحدیث سے ناواقف شخص اپنے مسائل زندگی کا حکم شرعی کسی بھی عالم سے پوچھ لیا کرے، جو عالم عربی زبان سے واقف ہو، آیاتِ قرآنی کا ترجمہ کرلیتا ہو، احادیث کی ایک بڑی تعداد کو جانتا ہو اور وہ عالم قرآن وحدیث سے براہ راست استفادہ کرکے لوگوں کو مسائل کا حکم بیان کردیا کرے؛ تاکہ حنفیت وشافعیت کے درمیانی واسطے ختم ہوجائیں تو بہ ظاہر یہ بات بڑی بھلی معلوم ہوتی ہے؛ لیکن یاد رکھیں کہ دین پر چلنے کا یہ طریقہ کار اتنا تباہ کن ہوگا کہ چند سالوں میں دین بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گا؛ بلکہ دین کا جنازہ نکل جائے گا؛ کیوں کہ ہر عالم کے غور وفکر کا انداز اور دلائل شرعیہ سے اخذ واستنباط کا طریقہ مختلف ہوگا، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک ایک مسئلہ میں بے شمار اقوال ہوں گے اور لوگ ان اقوال میں اُلجھ کر رہ جائیں گے اور یہ کیفیت بڑے فتنہ کی شکل اختیار کرلے گی، یہ کوئی فرضی بات نہیں ہے، نیز قرآن وحدیث میں غور وفکر اور اجتہاد واستنباط کا حق ہر عالم کو دیا جائے تو یہ بہ ذاتِ خود ایک بہت بڑا فتنہ ہوگا، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک سوال پر فرمایا کہ فقہاء اور عبادت گذاروں سے مشورہ کرلیا کرو، اور کسی خاص کی رائے کو نافذ مت کرو :

شاوروا فيه الفقهاء والعابدين ولا تمضوا فيه رأى خاصةٍ . (۱)

پس، قرآن وحدیث کو سمجھنے میں سلف کے اقوال پر اعتماد اور مجتہدین عظام کے مجتہدات کو لینے ہی میں عافیت ہے اور اسی لئے اُمت نے بھی ہمیشہ اسے قبول کیا۔

(۳) جناب راشد شاز صاحب نے جو اعتراض ائمہ اربعہ پر کیا ہے، اسی طرح ان متکلمین پر بھی کیا ہے جنھوں نے اسلامی عقائد کو اپنا موضوع بنایا؛ چنانچہ موصوف نے الزام لگاتے ہوئے کہا کہ ان حضرات نے غیر قرآنی عقائد پیش کرکے اُمت کو گمراہ کیا، موصوف کا یہ الزام بھی انتہائی گمراہ کن اور جہالت پر مبنی ہے۔

اس سلسلہ میں بنیادی بات یہ ہے کہ جو عقائد قرآن وحدیث میں واضح طور پر موجود ہیں ان میں متکلمین، فقہاء عظام اور محدثین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، جیسے وحدانیت، رسالت، فرشتے، جنت، جہنم، قیامت، سابقہ انبیاء اور محمد عربی ﷺ پر ایمان اور حضور ﷺ پر نبوت کا ختم ہونا وغیرہ، پہلی بار عقیدہ کا اختلاف اس وقت شروع ہوا

(۱) مجمع الزوائد، حدیث نمبر: ۸۳۴، باب فی الاجماع۔

جب خلافتِ عثمانی میں عبداللہ بن سبا یہودی نے اسلامی لبادہ میں مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرنے اور مسلمانوں کی قوت توڑنے کی کوشش کی، اس نے اس مقصد کے لئے اسلامی عقائد کو نشانہ بنایا، جیسا کہ پولس یہودی نے عیسائیت کے لبادہ میں عیسوی تعلیمات کو یکسر بدل دیا اور آج بھی پولس ہی کے قائم کردہ نظریات رائج ہیں، اسی طرح کی کوشش اسلام کی تصویر مسخ کرنے کے لئے عبداللہ بن سبا نے کی؛ چنانچہ اسی کی کوکھ سے شیعیت نے جنم لیا، چنانچہ مذکورہ شخص نے جن عقائد کو پیش کیا اور بڑی خوبصورتی کے ساتھ اُمتِ مسلمہ کے ایک طبقہ کے دلوں میں ان عقائد کو اُتار دیا کہ اُمتِ مسلمہ دو حصوں میں بٹ گئی، شیعیت کے عقائد باطلہ کو رد کرنا اہل حق علماء کی ذمہ داری تھی، اس لئے علماء نے اس طرف خصوصی توجہ دی اور اسلامی عقائد کی صحیح تشریح کی، اس ضمن میں بعض وہ باتیں بھی ایمانیات کا حصہ بن گئیں جو غلط عقائد کی تردید کے ضمن میں سامنے آئیں، جیسے بارہ اماموں کی شیعی تفصیلات اور ان اماموں کے بارے میں شیعوں کے عقائد وغیرہ۔

اسی طرح خلافت عباسیہ میں اعتزال کا فتنہ اُٹھا، جو درحقیقت اس پس منظر میں شروع ہوا جب کہ اسلامی افکار میں رخنہ ڈالنے کی کوشش فلسفہ کے ذریعہ کی گئی، اس لئے اس وقت کے علماء نے فلسفیوں کے فکری حملے کا جواب فلسفہ ہی کی زبان میں دیا؛ تاکہ اس فتنہ کا مؤثر انداز میں رد کیا جائے، اس پس منظر میں علوم اسلامی میں مختلف اصطلاحی الفاظ استعمال ہونے لگے جو پہلے نہیں تھے، فلسفہ سے متاثر ہوکر بعض مسلمان ایسے افکار پیش کرنے لگے جو اسلامی تعلیمات کے مغائر تھے، معتزلہ کے افکار زیادہ تر اسی قبیل کے ہیں، جن کی تفصیلات علم کلام کی کتابوں میں موجود ہیں، اہل حق علماء نے ان افکار کے مقابلہ میں صحیح اسلامی افکار کو واشگاف کیا، اس طرح ایمانیات میں بعض وہ باتیں بھی شامل ہوگئیں جو پہلے نہیں تھیں، اشاعرہ اور ماتریدیہ کی زیادہ تر کاوشیں اسی قبیل کی ہیں، اس لئے راشد شاز صاحب کا متکلمین حضرات پر برہم ہونا قلتِ فہم کا نتیجہ ہے۔

(۴) راشد شاز صاحب نے پیری مریدی، خلافت وبیعت اور مشہور بزرگان دین کے خلاف قلم اُٹھاتے ہوئے کہا کہ یہ سب سیاسی پس منظر میں وجود میں آئے، خانقاہ چلانے والے بزرگ اسماعیلی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اور فاطمی حکومت کو مستحکم کرنے کے مشن پر مامور تھے —— موصوف کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے، اس لئے کہ اہل سنت کے بزرگان دین جیسے معین الدین چشتی رحمہ اللہ، عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ، جنید بغدادی رحمہ اللہ، نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ، بختیار کاکی رحمہ اللہ اور اس طرح کے دوسرے حضرات کا اسماعیلی فرقہ سے کوئی تعلق نہیں تھا، اور فاطمی حکومت سے انھیں کوئی سروکار نہیں تھا، ان حضرات کی زندگی سادہ، سیاسی مفادات سے دور، اور اصلاح اُمت کی تڑپ سے لبریز تھی، جیسا کہ ان حضرات کی سوانح عمری سے یہ باتیں واضح ہیں، یہ حضرات حکومت کی عنایات اور عہدے سے ہمیشہ دور رہے؛ بلکہ گاہے گاہے حکام وقت پر زبردست تنقیدیں بھی کیں، مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ نے فتنہ ''دین اکبری'' کے خلاف

جو کچھ مجدّ دانہ خدمات پیش کی ہیں وہ کسی طور پر نا قابل فراموش نہیں ،معین الدین چشتی ؒ نے غیر مسلموں میں دعوت اسلام کا اہم فریضہ جس حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیا،اسے برصغیر ہندو پاک کے مسلمان بھلانہیں سکتے ،اس طرح کے سینکڑوں اکابر اور بزرگان دین گذرے ہیں،جنھوں نے اصلاح اُمت کا نا قابل فراموش فریضہ انجام دیا ہے،ان حضرات پر رکیک حملے کرنا چاند کی طرف تھوکنا ہے،جس سے چاند کا کوئی نقصان نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ خود تھوکنے والا اپنے چہرہ کوآلودہ کرتا ہے۔

اس بات کی وضاحت بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ شریعت کے بعض احکام ظاہری اعمال سے متعلق ہیں اور بعض احکام باطنی اعمال سے،جس طرح شریعت نے بعض وہ احکام دیئے جو اعضاء وجوارح سے وجود میں آتے ہیں،اور بعض وہ احکام دیئے جو دل کی کیفیات سے متعلق ہیں،فقہاء نے پہلی قسم کے احکام سے زیادہ بحث کی ہے، جیسے طہارت،نماز،زکوٰۃ،روزہ،حج،نکاح،طلاق،معاملات وغیرہ،اورصوفیاءحضرات نے دل کے احکام سے زیادہ اعتناء برتا ہے،اس لئے بزرگانِ دین نے اصلاحِ قلب کے لئے تربیتی کورس کے طور پر بعض وظائف واوراداور بعض مخصوص کیفیات پر زور دیا ہے،اور ایک مسلمان کے لئے جہاں یہ بات ضروری ہے کہ اس کے ظاہری اعمال شریعت کے مطابق ہوں وہیں یہ بات بھی ضروری ہے کہ اس کا دل ہر طرح کی آلائشوں سے پاک ہو،اس لئے یہ سب دین کے شعبے ہیں،ان پر فرقہ بندی اور گروہی تقسیم کا لیبل لگانا بے جابات ہے۔

(۵) جناب راشد شاز صاحب ہر طرح کی نسبت پر سخت نالاں نظر آتے ہیں،موصوف کے نزدیک حنفیت ، شافعیت ،اسی طرح چشتی ،نقشبندی اور اشعری و ماتریدی وغیرہ کی نسبت مشرکانہ عمل ہے —— اس سلسلہ میں عرض ہے کہ یہ سب نسبتیں ہرگز مشرکانہ نہیں ہیں؛ کیوں کہ شرک نام ہے اللہ کی ذات،یا صفات یا اللہ کے افعال میں غیر اللہ کو شریک ٹھہرانا،اور مذکورہ نسبتیں ایسی نہیں ہیں،اگر کوئی شخص حنفی اور چشتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قرآن وحدیث سے مستنبط احکام میں حنفی فقہاء پر اعتماد کرتا ہے اور اصلاح قلب کے لئے چشتی سلسلہ سے جڑا ہوا ہے،کوئی بھی مسلمان ہرگز ان فقہاء و بزرگانِ دین کو''اربـابـاً من دون الله ''نہیں سمجھتا ہے؛ چنانچہ اگر بڑا سے بڑا کوئی فقیہ سود کو حلال قرار دے یا کوئی بزرگ اوراد وظائف پر پابندی کرنے والے مرید سے نماز معاف کر دینے کی بات کہہ دے تو کوئی بھی مسلمان اس فقیہ کی اور کوئی بھی مرید اپنے شیخ کی بات نہیں مانے گا —— بہر حال !مسلکی نسبتیں جاہلی اور مشرکانہ نسبتیں نہیں ہیں ؛ بلکہ صرف اس حقیقت کا اظہار ہے کہ مسائل زندگی میں شرعی رہنمائی کے لئے وہ فلاں عالم پر اعتماد کرتا ہے اور بس۔

کلمۂ آخریں!اللہ تعالیٰ نے:''وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْـمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَ تْ مَصِيْراً ''(النساء:۱۱۵)فرما کر واضح کر دیا ہے کہ مومنوں کے

طریقے سے ہٹ کر دوسرا راستہ اختیار کرنا انتہائی برے انجام تک پہنچاتا ہے، عافیت سوادِاعظم کی صف میں شامل رہنے میں ہے، ہدایت کی منزلیں ان لوگوں کے لئے ہیں جو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے راستہ کے راہی ہوں، اس مسافر کا سفر بہت دشوار اور منزل تک پہنچنا بہت مشکل ہے جو اپنے سفر کا آغاز معروف راستہ سے ہٹ کر مخدوش، پُرخطر اور گمنام راستہ سے کرے، اللہ تک پہنچنے کی منزل قرآن وسنت کے راستہ پر چلنے سے ہے اور قرآن وسنت کا راستہ وہ ہے جس پر رسول اللہ ﷺ چلے، اسی کو صحابہ نے اختیار کیا اور صحابہ سے تابعین نے اور تابعین سے تبع تابعین نے اور یہ سلسلہ متوارثاً نسلاً بعد نسل چلتا رہا اور وہ آج بھی ہے اور کل بھی رہے گا اور قیامت تک رہے گا، اللہ تعالیٰ سب کو اسی راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

○ ○ ○

فتاویٰ

خالدسیف اللہ رحمانی

رؤیت ہلال کا مسئلہ

سوال:- محترم المقام فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا خالدسیف اللہ رحمانی صاحب ! مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

خدمتِ اقدس میں عرض ہے کہ کناڈا میں دنیا کے اطراف واکناف سے مسلمانوں کی کافی تعداد آکر آباد ہوگئی ہے، مساجد، مدارس، دینی ادارے بھی قائم کئے ہیں، آپس میں شادی بیاہ کا سلسلہ بھی جاری ہے، بودوباش بھی مخلوط ہے، مساجد میں مختلف ممالک کے لوگ جمع ہوتے ہیں؛ مگر رمضان اور عیدین کی تواریخ میں اختلاف ہے، جس کی وجہ سے ایک گھر میں دو دن الگ الگ عید منائی جاتی ہے، اس مسئلہ کو ختم کرنے کے لئے کچھ معتبر علماء کرام، کچھ مساجد اور کچھ اسلامی سنٹر نے ایک جماعت قائم کی ہے اور اس کمیٹی نے تمام دنیا کا ایک ہی مطلع مان کر کچھ اُصول وضوابط مقرر کئے ہیں، جن میں اُمت کی سہولت کا راستہ فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اُصول وضوابط حسبِ ذیل تحریر کئے جارہے ہیں :

(۱) رؤیت ہلال کے ثبوت کے لئے ضروری ہے کہ ۲۹؍تاریخ کو چاند دیکھنے کا اہتمام کیا جائے۔

(۲) ثبوتِ رؤیت ہلال کے فیصلہ کی بنیاد عینی شہادت ہوگی۔

(۳) چاند دیکھنے کی شہادت ان لوگوں سے لی جائے گی، جنھوں نے بذات خود دیکھا ہو، مطلع صاف ہونے کی صورت میں کم سے کم دس آدمیوں کا چاند دیکھنا ثبوتِ رؤیت کے لئے کافی مانا جائے گا، مطلع ابرآلود ہونے کی صورت میں دو عادل حضرات کی شہادت پر فیصلہ کیا جائے گا۔

(۴) ثبوت رؤیت ہلال کی (رپورٹ) تفصیلِ شرعی دنیا کے کسی ملک سے بھی معتبر ومعتمد ذرائع سے حاصل کی جائے وہ قابل قبول ہوگی۔

(۵) جن ملکوں کے اسلامی مراکز، دینی اداروں اور ہلال کمیٹی سے ہمارا معاہدہ اور باہمی رابطہ ہوگا، ان کا اعلان بھی ہمارے لئے قابل قبول ہوگا۔

(۶) ماہرین فلکیات نے اپنی معلومات اور حساب کے لحاظ سے جن علاقوں میں ہلال کا نظر آنا ناممکن بتایا ہو، اس علاقہ میں اگر کوئی چاند دیکھنے کا دعویٰ کرے اور شہادت دے تو اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔

(۷) فلکیاتی حساب کے مطابق چاند نظر آنے کے قوی امکان کی صورت میں انتظامات کے لئے عوام کو پہلے سے باخبر کرنے کے لئے اس کو استعمال کیا جائے گا اور اعلان عینی شہادت پر موقوف ہوگا۔

(۸) یہ رہنما اُصول سال کے بارہ مہینوں کے لئے یکساں رہیں گے۔

دنیا کا ایک ہی مطلع "Global Moon Sighting" اور مندرجہ بالا اُصول وضوابط کے متعلق آنجناب کی گرانقدر رائے سے مطلع فرمائیں، آں محترم کی طرف سے تصویب یا ترمیم یا مشورہ مطلوب ہے، نیز اس کے متعلق بھی ارشاد فرمائیں کہ جو ممالک کناڈا سے پانچ یا چھ گھنٹے آگے ہیں، مثلاً ساؤتھ آفریقہ وغیرہ وہاں اگر ان کے غروبِ آفتاب کے بعد چاند کی رؤیت ثابت ہوگی اور وہاں کے علماء کرام نے فیصلہ کرلیا اور ہمیں اطلاع دی تو کیا ہم ہمارے غروبِ آفتاب سے پہلے اس کا اعلان کرسکتے ہیں، حضرت والا سے اُمید ہے کہ جلد جواب سے نوازیں گے۔ (محمد یوسف بدات، برطانیہ)

جواب:- مکرمی ومحترمی مولانا یوسف بدات صاحب ومحترم جناب سید محمد قادری صاحب ! زیدت مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاجِ گرامی بعافیت ہو۔

گرامی نامہ موصول ہوا، جس میں کناڈا سے متعلق رؤیت ہلال کی بابت سوالات کئے گئے ہیں، جواب حسب ذیل ہے، جس میں فقہاء کی تصریحات کے ساتھ ساتھ آپ کے مقامی احوال بھی پیش نظر ہیں، دُعاء خیر کا خواستگار ہوں۔

رؤیت ہلال کے سلسلے میں بنیادی طور پر بحیثیت مجموعی تین نقاطِ نظر پائے جاتے ہیں، اول یہ کہ دنیا میں کہیں بھی ایک جگہ چاند نظر آجائے، تو یہ پوری دنیا کے لئے کافی ہے، یہ جمہور کا قول ہے :

ذهب الجمهور إلى أنه لا عبرة باختلاف المطالع . (الموسوعۃ الفقہیہ: ۳۵)

امام ابوحنیفہؒ کی اصل رائے یہی ہے؛ چنانچہ علامہ حصکفیؒ، علامہ نسفیؒ اور علامہ ابن نجیم مصریؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں :

ولا عبرة باختلاف المطالع فإذا راٰه أهل بلدة ، ولم يره أهل بلدة

أخرى وجب عليهم أن يصوموا برؤية اولئک إذا ثبت عندهم بطريق موجب ويلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب . (الدرالمختار مع الرد:۳/۳۶۳)

حصکفی نے ایک دوسرا قول نقل کرنے کے بعد اختلاف مطالع کے معتبر نہ ہونے والی رائے کے بارے میں ذکر کیا ہے :

والأول ظاهر الرواية وهو الأحوط كذا في فتح القدير وهو ظاهر المذهب وعليه الفتوىٰ كذا فى الخلاصة أطلقه فشمل ما إذا كان بينهما تفاوت بحيث يختلف المطلع . (حوالۂ سابق)

علامہ طحطاوی نے بھی مراقی الفلاح کے حاشیہ میں یہی لکھا ہے: ''**إذا ثبتت رؤية الهلال بمكان قريباً كان أو بعيدا لزم الناس كلهم الصوم وحكم من لم يره كمن راٰه ولو اختلف المطالع** '' (طحطاوی علی المراقی:۴۳۵) شوافع کے یہاں بھی ایک قول یہی ہے۔(دیکھئے:البیان فی مذہب الامام الشافعی:۲/۴۷۸)

اس رائے کے اعتبار سے اگر دنیا کے کسی بھی مقام سے رؤیت کی مصدقہ اطلاع آجائے ،تو اس پر عمل کرنا واجب ہے اور چوں کہ مکۃ المکرّمہ قرآن مجید کے الفاظ میں 'اُم القریٰ' ہے،اس لئے اگر مکہ کی رؤیت کو معیار بنالیا جائے ،تو یہ بھی ایک بہتر صورت ہوگی ،کہ ویسے بھی عام طور پر وہاں پہلے رؤیت ہوتی ہے۔

دوسرا نقطۂ یہ ہے کہ 'اختلاف مطالع' کا اعتبار ہوگا اور ہر علاقہ میں وہاں کی رؤیت معتبر ہوگی ،یہ مالکیہ کی رائے ہے،(بدایۃ المجتهد:۱/۲۹۴) متاخرین حنفیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، نیز شوافع اور حنابلہ کے یہاں بھی اس طرح کا قول ملتا ہے۔

تیسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ علم فلکیات سے بھی رؤیت ہلال کا ثبوت ہوسکتا ہے،(دیکھئے:فتح الباری:۴/۱۴۷،عمدۃ القاری: ۸/۲۸) —— عام طور پر اس تیسرے قول کو علماء نے قبول نہیں کیا ہے؛ کیوں کہ حدیث میں صراحت موجود ہے کہ رمضان اور عید کا ثبوت حقیقی رؤیت ہلال سے متعلق ہے:'' **صوموا لرؤيته وأفطروا الرؤيته** ''۔(بخاری،حدیث نمبر:۱۹۰۹)

اس تمہیدی گفتگو کے بعد آپ کے سوالات کا جواب دیا جاتا ہے :

(۱) یہ بالکل درست ہے کہ رؤیت ہلال کے لئے ۲۹ تاریخ کو چاند دیکھنے کا اہتمام کیا جائے۔

(۲) اس میں بھی کوئی کلام نہیں کہ رؤیت ہلال کا فیصلہ عینی شہادت پر ہو۔

(۳) **الف** : یہ بھی درست ہے کہ جس نے اپنی آنکھوں سے چاند دیکھا ہو،اس کی گواہی قبول کی جائے ؛ البتہ اگر کوئی معتبر ادارہ یا شخص ایسے گواہوں سے سن کر رؤیت کا فیصلہ کرے اور پھر وہ مطلع کرے ، گو فیصلہ کرنے والوں نے خود چاند نہ دیکھا ہو،تو اس کا بھی اعتبار ہوگا۔

ب : مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں رمضان المبارک کے چاند کے لئے ایک شخص کی اطلاع اور عید الفطر کے چاند کے لئے دو شخص کی گواہی کو معیار بنانا مناسب ہوگا، جیسا کہ احناف کا مسلک ہے اور یہ فرق کرنا اس لئے مناسب ہے کہ رمضان کے چاند کے لئے گواہی دینے والا موقع تہمت میں نہیں ہوتا اور عید کے چاند کے لئے گواہی دینے والا موقع تہمت میں ہوتا ہے، ویسے عید الفطر کے چاند کے سلسلہ میں ائمہ ثلاثہ کی بھی یہی رائے ہے، علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں :

فأجمع العلماء على أنه لا تقبل في شهاده شوال في الفطر إلا رجلان عدلان . (التمهيد:۳۵۴/۱۴)

ج : مطلع صاف ہونے کی صورت میں رؤیت ہلال کے لئے حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک خبر مستفیض مطلوب ہے، (الفقہ الاسلامی وادلتہ:۶۰۰/۲) دوسرے فقہاء کے یہاں دو افراد کی خبر کافی ہے ؛ بلکہ شوافع کے یہاں ہلال رمضان میں تو صرف ایک معتبر آدمی کی خبر بھی کافی ہے، (شرح مہذب:۲۷۶/۶) —— پھر خبر مستفیض کے لئے کوئی خاص تعداد متعین نہیں ہے، اتنی تعداد کافی ہے کہ اطلاع کے سچ ہونے کا غالب گمان ہو جائے، امام ابوحنیفہ سے ان کے شاگرد حسن ابن زیاد نقل کرتے ہیں کہ مطلع صاف ہونے کے باوجود دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کافی ہے اور احوالِ زمانہ کے تحت علامہ ابن نجیم اسی رائے کی طرف اپنا رجحان ظاہر کرتے ہیں :

وينبغي العمل عليها في زماننا لأن الناس قد تكاسلوا عن ترائ الأهلة . (تنبيه الغافل والوسنان على أحكام هلالِ رمضان:۲۳۴)

مطلع صاف ہونے کی صورت میں کم سے کم دس آدمیوں کی گواہی قبول کی جائے تو کوئی حرج نہیں اور یہ فقہاء کے مقرر کئے ہوئے معیار کے دائرہ ہی میں ہے۔

(۴) چوں کہ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ کہیں بھی پہلے چاند نظر آجائے، اس کے مطابق فیصلہ ہوگا، اس لئے اس کی گنجائش ہے کہ دنیا کے کسی بھی ملک میں شرعی اُصولوں کے مطابق رؤیت ہلال ثابت ہو جائے اور معتبر طریقے پر آپ کے یہاں اطلاع پہنچ جائے تو اسے قبول کر لیا جائے۔

(۵) اس میں بھی حرج نہیں ؛ بشرطیکہ یہ ادارے شرعی اُصولوں کے مطابق رؤیت ہلال کا فیصلہ کرتے ہوں، ان کے فیصلے محض فلکیاتی تحقیق پر مبنی نہ ہوں۔

(۶) اگر ماہرین فلکیات کی رائے کے برخلاف ایک دو آدمی گواہی دیں، تو ان کی گواہی رد کی جاسکتی ہے ؛ لیکن اگر مطلع صاف ہو اور بہت سے لوگوں نے رؤیت ہلال کی گواہی دی ہو، یعنی وہ خبر مستفیض کے درجہ میں ہو، تو پھر فلکی حساب کا اعتبار نہیں ہوگا۔

(۷) یہ بھی بہت مناسب تجویز ہے کہ فلکیاتی اعتبار سے جس روز رؤیت کا زیادہ امکان ہو، اس دن خاص طور پرعوام سے رؤیت کے اہتمام کی اپیل کی جائے؛ لیکن فیصلہ عینی شہادت کی بنا پر کیا جائے۔

(۸) اصل اہمیت رمضان المبارک، عیدالاضحیٰ اور ذوالحجہ یا شعبان کے چاند کی ہے، بقیہ مہینوں میں ایک معتبر شخص کی اطلاع بھی کافی ہے، اس لئے مطلع صاف ہونے کی صورت میں کم سے کم دس افراد کے چاند دیکھنے کی شرط بارہ مہینوں میں مناسب نظر نہیں آتی۔

(۹) اگر ان تجاویز کی بنیاد اس پر ہو کہ ''اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں اور دنیا میں کہیں بھی چاند دیکھ لیا جائے تو پوری دنیا کے لوگ اس چاند سے متعلق احکام شرعیہ کے مخاطب ہیں'' جیسا کہ جمہور کی رائے ہے اور حنفیہ کے یہاں ظاہر روایت ہے، تو اس قول کے لحاظ سے جنوبی افریقہ کی رؤیت پر کناڈا میں بھی عمل کیا جا سکتا ہے۔

(۱۰) آخری بات یہ ہے کہ رمضان کا ایک دن پہلے یا بعد میں شروع ہونا اور عید کا آج ہونا یا کل ہونا اہم مسئلہ نہیں ہے، جتنی اہم بات یہ ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو اختلاف سے بچائیں اور اتحادِ عمل کا ثبوت دیں، کم از کم ایک خطہ کے مسلمانوں کا روزہ ایک دن شروع ہو، وہ ایک ہی دن عید کی نماز پڑھیں اور ایک ہی دن قربانی کریں، رسول اللہ ﷺ نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا :

الصوم يوم تصومون والفطر يوم تفطرون والأضحى يوم تضحون . (سنن الترمذی ، کتاب الصوم، حدیث نمبر:۶۹۷)

دُعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلامک فاؤنڈیشن کی اس کوشش کو مسلمانوں کے درمیان اتحادِ عمل کا ذریعہ بنائے۔

وبالله التوفيق وهو المستعان .

○ ○ ○

خبرنامہ

(صفر–ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ، جنوری–مارچ ۲۰۱۳ء)

مولانا محمد احسان الحق مظاہری •

● ۲۳–۲۴ر صفر ۱۴۳۴ھ، مطابق: ۶–۷ر جنوری ۲۰۱۳ء کو جامعہ حسینہ شری وردھن کوکن میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے فقہ شافعی کے موضوع پر ایک اہم سیمینار منعقد کیا، جس میں ہندوستان کے مختلف علاقوں اور درسگاہوں سے منتخب اہل علم نے شرکت کی، کیرالہ، بھٹکل، حیدرآباد اور سری لنکا سے شافعی علماء کی بھی بڑی تعداد شریک ہوئی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے اس سیمینار کا کلیدی خطبہ دیا، جو فقہ اسلامی کی اہمیت، تقلید کی ضرورت اور فقہ شافعی کی خصوصیات پر تھا، اہل علم نے اس خطبہ پر بے حد مسرت کا اظہار کیا۔

● ۲۹ر صفر ۱۴۳۴ھ، مطابق ۱۲ر جنوری کو صفا بیت المال کا عمومی اجلاس خواجہ گلشن مانصاحب ٹینک پر منعقد ہوا، مولانا رحمانی نے اس اجلاس کی صدارت کی۔

● ۱۴ر جنوری ۲۰۱۳ء کو تفہیم شریعت کمیٹی برائے حیدرآباد نے تعلیم یافتہ خواتین کے لئے خصوصی سیمینار منعقد کیا، جو مسلمان لڑکیوں کے غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ چلے جانے کے سلسلہ میں تھا، مولانا رحمانی نے اس میں کلیدی خطاب کیا۔

● احمد آباد میں دارالافتاء کے قیام کی مناسبت سے مولانا رحمانی نے ۱۹–۲۲ر جنوری ۲۰۱۳ء سفر فرمایا؛ چنانچہ ۱۹ر کی شب میں وہاں کی تاریخی سنگی مسجد میں قیام دارالافتاء کے سلسلہ میں اجلاس عام ہوا اور معہد کے فارغ مفتی محمد طاہر کو افتاء کی ذمہ داری سونپی گئی، ۲۰ر جنوری ۲۰۱۳ء کی صبح میں دارالقضاء کا سالانہ جلسہ ہوا، مفتی احمد دیولوی نے صدارت کی اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے کلیدی خطبہ دیا، اس اجلاس میں مرد و خواتین اور وکلاء کی بڑی تعداد حاضر تھی اور دارالقضاء کے سلسلہ میں وکلاء کے رول پر خاص طور سے روشنی ڈالی گئی، اس سفر میں مفتی شاہد علی قاسمی نے آپ کی رفاقت کی۔

• ناظم کتب خانہ: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد۔

● ۲۱؍جنوری ۲۰۱۳ء کو صبح میں جامعہ علوم القرآن جمبوسر (گجرات) میں افتتاحی جلسہ منعقد ہوا، جس میں رابطہ ادب اسلامی کے خصوصی پروگرام میں حصہ لینے والے مدارس کے طلبہ کے درمیان انعامات کی تقسیم عمل میں آئی، مولانا رحمانی نے اس موقع پر خصوصی خطاب فرمایا، اس کے علاوہ جامعہ فلاح دارین ترکیسر میں آپ نے علماء وطلبہ سے اور دارالعلوم بڑودہ میں تجار سے ان کی مناسبت سے خطاب کیا۔

● ۱۰؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ، مطابق ۲۳؍جنوری ۲۰۱۳ء کو معہد میں بعد نماز مغرب ''بزمِ نعت'' رکھی گئی، اساتذہ اور طلبہ نے عربی، فارسی، اُردو، دکنی اور بھوج پوری میں نعتیہ کلام پیش کیا اور شہر سے بھی کئی معززین شریک ہوئے۔

● مؤرخہ ۲۴؍جنوری ۲۰۱۳ء کو مصر کے ایک بڑے فاضل علاء الدین بکری، مقیم امریکہ معہد تشریف لائے اور انھوں نے بیش قیمت محاضرہ دیا۔

● ۲۶؍جنوری کو معہد کے پارک میں ''یومِ جمہوریہ'' تقریب رکھی گئی، طلبہ نے علامہ اقبال اور راجندر ناتھ ٹیگور دونوں کا ترانہ پیش کیا اور مفتی اشرف علی قاسمی و دیگر اساتذہ نے موقع کی مناسبت سے خطاب کیا۔

● ۱۵-۱۷؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ، مطابق ۲۷-۲۹؍جنوری معہد کی دعوت پر حضرت مولانا منیر احمد صاحب (ممبئی) تشریف لائے، آپ نے یہاں مختلف جلسوں سے خطاب فرمایا اور اساتذہ وطلبہ میں تربیتی گفتگو فرمائی۔

● ۲۰؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ، مطابق ۲؍فروری کو اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی مجلس عاملہ کا اجلاس منعقد ہوا، جب کہ ۳؍فروری کو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کی نشست منعقد ہوئی، مولانا رحمانی نے ان دونوں میں شرکت کی۔

● اسلامک فقہ اکیڈمی کے بائیسویں فقہی سیمینار کی مناسبت سے تیاری کی غرض سے مؤرخہ ۴-۷؍فروری مولانا رحمانی نے مرادآباد، رام پور، ٹانڈہ، ہاپوڑ، اجرارہ، امروہہ اور دیوبند کا سفر کیا اور ہر جگہ علماء وارباب افتاء سے خطاب بھی فرمایا۔

● ۲۷؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ، مطابق ۹؍فروری کو حیدرآباد میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر انتظام ''عشرۂ ختم نبوت'' منایا گیا، اس موقع سے شہر حیدرآباد میں مرکزی جلسہ منعقد ہوا، جس میں مولانا محمد عبدالرؤف صاحب (مرادآباد) مہمان خصوصی کی حیثیت سے شریک ہوئے، مولانا رحمانی نے بھی اس اجلاس سے خطاب کیا۔

● ۱۰؍فروری روز اتوار کو مدرسہ رحمت العلوم وانگلش میڈیم اسکول کی دعوت پر مولانا رحمانی کریم نگر تشریف لے گئے اور صبح میں منعقد ہونے والے جلسۂ عام کی صدارت کی، اسی دن بعد نماز مغرب مدرسہ تجوید القرآن عنبر پیٹ کے اجلاسِ عام سے خصوصی خطاب فرمایا۔

● ۱۶-۲۰/فروری معہد میں ششماہی امتحان منعقد ہوا اور ۲۱/فروری تا ۳/مارچ وسط مدتی تعطیل دی گئی، اس دوران مولانا رحمانی کا بہار کا سفر ہوا، جس میں آپ نے پٹنہ، دربھنگہ اور جالے وغیرہ میں مختلف جلسوں سے خطاب کیا، مدرسہ سبیل الفلاح جالے کا تعلیمی جائزہ لیا اور علاج کے سلسلہ میں پٹنہ میں قیام کیا۔

● ۲۶-۲۸/ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ، مطابق ۹-۱۱/ مارچ ۲۰۱۳ء کو امروہہ میں اسلامک فقہ اکیڈمی کا بائیسواں فقہی سیمینار منعقد ہوا، جس میں مولانا رحمانی کے علاوہ معہد کے اساتذہ مولانا محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی اور مولانا محمد عمر عابدین قاسمی مدنی نے شرکت کی۔

● مؤرخہ ۲۲-۲۴/مارچ ۲۰۱۳ء کو اُجین (ایم پی) میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا بائیسواں سالانہ اجلاس عام منعقد ہوا، جس میں ارکان وعہدہ داران کا انتخاب بھی تھا، مولانا رحمانی اس میقات کے لئے دوبارہ سکریٹری منتخب کئے گئے۔

● ۳۱/مارچ ۲۰۱۳ء کو شولا پور کے مخلصین کی دعوت پر مولانا رحمانی وہاں تشریف لے گئے، یہاں ظہر سے قبل شہر کی مرکزی مسجد میں تجار سے تجارت سے متعلق جدید مسائل پر آپ نے خطاب کیا اور سوالات کے جواب دیئے اور بعد نماز مغرب عمومی خطاب فرمایا، دونوں پروگراموں میں حاضرین کی بڑی تعداد شامل تھی، اس سفر میں مفتی شاہد علی قاسمی بھی آپ کے ساتھ تھے۔

○ ○ ○